بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

Islamic & Intellectual Studies Magazine

(IISM)

اسلامک اور علم و دانش ریسرچ میگزین

شمارہ: اگست 2025، صفر 1447

وَمَنۡ یَّهۡدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنۡ مُّضِلٍّ

مَنْ قَاتَلَ تَحْتَ رَايَةٍ عُمِّيَّةٍ، يَغْضَبُ لِعَصَبَةٍ، أَوْ يَدْعُو إِلَى عَصَبَةٍ، أَوْ يَنْصُرُ عَصَبَةً، فَقُتِلَ، فَقِتْلَةٌ جَاهِلِيَّةٌ

صحیح مسلم، رقم الحدیث: 1848

”جو شخص کسی اندھے (یعنی باطل) جھنڈے کے نیچے لڑے، (اس حالت میں کہ) وہ کسی قوم یا قبیلہ کی حمایت کے لیے غصہ کرے، یا عصبیت کی طرف بلائے، یا عصبیت کی مدد کرے، پھر وہ قتل کر دیا جائے تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہے۔“

www.mubashirnazir.org

Islamic & Intellectual Studies Magazine

(IISM)

اسلامک اور علم و دانش ریسرچ میگزین

آج جدید دور نے دین و دنیا سے متعلق مختلف سوالات پیدا کر دیے ہیں۔ کہیں الحاد کا دور دورہ ہے تو کہیں خود ساختہ ادیان رائج ہیں۔ اِن حالات میں دین کی بلا تعصب، غیر جانبدارانہ اور قران و سنت کی روشنی میں درست ترجمانی ناگزیر ہے۔ اسی مقصد کے لیے اسلامک اور علم و دانش ریسرچ میگزین (Islamic and Intellectual studies Magazine) کا اجراء کیا گیا ہے، تاکہ دورِ جدید میں مختلف موضوعات سے متعلق دین کا صحیح نقطۂ نظر بلا کم و کاست قارئین تک پہنچایا جاسکے۔ اِس میگزین میں ایمان و اخلاق کی دعوت، تعمیر سیرت، اللہ اور آخرت کی معرفت، تاریخ، سوشل سائنسز اور دورِ حاضر کے تمام گمراہ کن نظریات کو پہچان کر ان سے بچنے کے حوالے سے موضوعات زیرِ بحث آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس سارے معاملے میں ہمارا حامی و ناصر ہو۔ آمین

سر پرستِ اعلیٰ: محمد مبشر نذیر

مدیر: رفعت نواب مصعب

نائب مدیر: محمد ثوبان

مجلس تحریر

محمد مبشر نذیر، رفعت نواب مصعب، محمد ثوبان

ڈاکٹر محمد عقیل، ڈاکٹر شکیل عاصم، حافظ محمد شارق

ڈاکٹر ظہور احمد دانش، جاوید رشید، محمد رضوان

عمر خطاب، محمد رضوان، شاہ فیصل ناصر، عبد الباسط

سلمان رضوان، طلحہ خضر، ڈاکٹر سید بلال ارمان

نوٹ: مدیر کا مراسلہ نگار سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

آفیشل ویب سائٹ: www.mubashirnazir.org

رابطہ کرنے، تحریریں، آراء اور سوالات بھیجنے کے لئے

Mubashirnazir100@gmail.com , refatnawab@gmail.com

فہرست مضامین

اسلامک اور علم و دانش ریسرچ میگزین

1	جہاد کب اور کیوں؟	محمد شکیل عاصم	3
2	تعصب: ایک فکری اندھا پن– قرآن و حدیث کی روشنی میں	رفعت نواب مصعب	10
3	مایوسی سے نجات کیوں کر ممکن ہے؟ پارٹ 2	محمد مبشر نذیر	17
4	نینو کاسمیٹکس کیا ہے؟	ڈاکٹر ظہور احمد دانش	22
5	قرآن مجید میں زمان و مکان کا تصور	طلحہ خضر	25
6	موت کے بعد زندگی– سائنس یا وہم؟	ڈاکٹر ظہور احمد دانش	28
	کیا سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا بتوں کو توڑنا توہینِ مذہب تھا؟	طلحہ خضر	30
7	تربیتِ اولاد (پارٹ-6)	وحید الدین خان	32
8	**سلسلہء سوال و جواب** 1. علوم القرآن کے متعلق سوال 2. فقہ کا موضوع اور اس کے دائرہ کار کے متعلق سوالات	محمد مبشر نذیر	38 38 38
9	تعلیمی و تربیتی کورسز کے ویب لنکس		40

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد شکیل عاصم

جہاد کب اور کیوں؟

جہاد کا لغوی معنی "کوشش کرنا" اور "مشقت اٹھانا" وغیرہ کا ہے۔ جبکہ اصطلاح میں اس سے مراد ظلم کے خلاف جنگ کرنا ہے۔ جہاد کی اجازت مدینہ کی طرف ہجرت کے بعد دی گئی جب اسلامی ریاست وجود میں آگئی۔ مکہ میں نبی کریم رحمۃ للعالمین نے اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ، دعوت دین کے لیے بے شمار تکالیف کو برداشت کیا۔ اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کا جذبہ جہاں اوجِ ثریا پر تھا وہاں دین کی سربلندی کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب رسول کی برداشت بھی قابلِ دید تھی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ. (الحج ٢٢:٣٩)

"اجازت دے دی گئی اُن لوگوں کو جن کے خلاف جنگ کی جارہی ہے، کیونکہ وہ مظلوم ہیں، اور اللہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے۔"

جہاد کی جو تین اقسام بتائی جاتی ہیں؛ جہاد بالنفس، جہاد بالمال اور جہاد بالقلم۔ تو یہ اس کے لغوی معنی یعنی جدوجہد کے اعتبار سے ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مبارک میں جہاد سے قتال کا مفہوم مراد لیا جاتا تھا۔ اور بالفرض کوئی شخص اس لفظ کو عام یعنی عمومی معنی میں لینا چاہے تو اس سے قتال کی اہمیت میں کوئی فرق نہیں آتا۔

احادیث مبارکہ میں جہاد کی بہت زیادہ اہمیت وارد ہوئی ہے، کیونکہ یہ تو دین کے لئے قربانی کی انتہا ہے۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جہاد کے لیے بلاتے تو صحابہ کرام کا شوق دیدنی ہوتا اور عام طور پر شہر میں منافقین ہی بچ رہتے۔ گویا یہ اپنے اندر منافقین و مؤمنین میں امتیاز کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ایک عمل ایسا ہے کہ اس کے ذریعے سے بندے کے لیے جنت میں سو درجات بلند کر دیئے جاتے ہیں، اور ہر درجہ میں فاصلہ اس قدر ہوگا کہ جس قدر آسمان و زمین کے درمیان ہے۔" صحابی نے دریافت کیا: "وہ عمل کون سا ہے؟ یارسول اللہ! آپ نے فرمایا: "اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔"[1]

[1] جامع الترمذی، کتاب الجهاد، باب ما جاء فی المشورة، حدیث نمبر 1714

کیا جہاد کے لیے حکومت ضروری ہے؟

سلف سے خلف تک امت کے اکثر علماء کے نزدیک جہاد کے لیے امام و حکمران کا ہونا ضروری ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جس طرح حدود اسلامی کا نفاذ عام شہری کرنے کا اختیار نہیں رکھتا بعینہ جہاد کا بھی یہی حکم ہے۔ جہاد کی اجازت ایک اسلامی ریاست کے وجود میں آنے کے بعد دی گئی۔ اور خلفائے راشدین کے دور میں بھی جہاد حکمران وقت کے ماتحت کیا جاتا رہا۔ اس کے علاوہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ: "امام ڈھال (کی طرح) ہے، (وہ اس طرح کہ) اس کے ماتحت لڑائی کی جاتی ہے، اور اسی کے ذریعے بچاؤ اختیار کیا جاتا ہے۔ تو اگر وہ اللہ کے بارے میں تقوی اختیار کرنے کا کہے اور عدل کرے گا تو اسے اس کا اجر ملے گا اور اگر وہ اس کے برعکس کسی کام کا حکم دے گا تو اس کا ذمہ اسی پر ہو گا۔"[2] ہاں حکمران جو مناسب سمجھے گا کرے، وہ مناسب خیال کرے تو جہاد کا ارادہ رکھنے والے کو گھر میں رہنے کی تاکید کر دے یا اگر وہ اس شہر میں اس کی ضرورت محسوس کرتا ہے تو وہ ایسا کرنے کا مجاز ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک صحابی جو جہاد کا ارادہ رکھتے تھے، آئے اور کہنے لگے کہ: "میں اس لیے آیا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر جہاد کروں، مگر جب آیا تو والدین رو رہے تھے۔" تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ان کے پاس واپس جایئے! اور انہیں اسی طرح خوش کرنے کی کوشش کیجئے جس طرح انہیں رلایا ہے۔"[3] اور ایک روایت کے الفاظ ہیں کہ: "آپ ایسا کیجئے کہ ان دونوں کی بھرپور خدمت کیجئے۔"[4]

اس کے علاوہ یہ بات بھی ذہن نشین رکھنے کے قابل ہے کہ پرائیویٹ تنظیموں کے جہاد سے مطلوب نتائج کا حصول تو درکنار الٹا اس کے قبیح اثرات دیکھنے میں آتے ہیں۔ اس سے جہاں دہشت گردی میں اضافہ ہوتا ہے تو وہاں لوگوں کی جیبوں کی طرف دیکھنے والے بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ کوئی یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ ہمارے ذمے کوشش کرنا ہے نہ کہ نتائج کا حصول۔ تو یہ بات درست نہیں، کیوں کہ ہر کام کے لیے مطلوبہ نتائج کے حصول کے لیے منصوبہ بندی کی جاتی ہے۔ ورنہ یہ اندھیرے میں ہاتھ اندھا دھند مارے جانے مترادف کہلائے گا۔

جہاد میں کن باتوں کا خیال رکھنا ہوتا ہے؟

جہاد کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہے کہ جسے چاہے قتل کر دیا جائے، بلکہ شریعت اسلامیہ نے اس کے آداب مقرر کیے ہیں۔ ذیل میں ہم ان کا مطالعہ کریں گے:

1۔ جو شخص جنگ میں شریک نہ ہوں ان سے لڑائی نہیں کی جائے گی۔ اسی طرح جن لوگوں یا قوموں کے ساتھ مسلمانوں کا کوئی معاہدہ ہو تو اس معاہدے کی پوری پابندی ضروری ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

---

[2] سنن ابی داؤد، کتاب الخراج، باب فی تعشیر اهل الذمة اذا اختلفوا بالتجارة، حدیث نمبر 3052

[3] صحیح بخاری، کتاب الجهاد و السیر، باب السمع و الطاعة للامام، حدیث نمبر 2955

[4] سنن الترمذی، کتاب الجهاد عن رسول الله، باب ما جاء لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق، حدیث نمبر 1707

إِلَّا الَّذِينَ يَصِلُونَ إِلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ أَوْ جَاءُوكُمْ حَصِرَتْ صُدُورُهُمْ أَن يُقَاتِلُوكُمْ أَوْ يُقَاتِلُوا قَوْمَهُمْ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقَاتَلُوكُمْ فَإِنِ اعْتَزَلُوكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوكُمْ وَأَلْقَوْا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا. (النساء ۴:۹۰)

"البتہ وہ لوگ (جنگ کے) اس حکم سے مستثنیٰ ہیں جو کسی ایسی قوم سے جا ملیں جس کے ساتھ آپ لوگوں کا معاہدہ ہے۔ اسی طرح وہ بھی مستثنیٰ ہیں جو آپ کے پاس آتے ہیں اور لڑائی سے دل برداشتہ ہیں، نہ وہ آپ سے لڑنا چاہتے ہیں نہ اپنی قوم سے۔ اللہ چاہتا تو ان کو آپ پر مسلط کر دیتا اور وہ بھی آپ سے لڑتے۔ لہذا اگر وہ آپ سے کنارہ کش ہو جائیں اور لڑنے سے باز رہیں اور آپ کی طرف صلح و آشتی کا ہاتھ بڑھائیں تو اللہ نے آپ کے لیے ان پر دست درازی کی کوئی سبیل نہیں رکھی ہے۔"

2۔ جنگ میں ہر قسم کے معاہدوں کی پابندی ضروری ہے۔ اس معاملے میں اللہ تعالی نے اس درجے میں سختی فرمائی ہے کہ اگر کسی قوم سے معاہدہ ہو اور اس کے ہاں مسلمانوں پر ظلم بھی ہو رہا ہو تو مسلمان اس معاہدے کو پورا یا ختم کیے بغیر اس قوم سے جنگ نہیں کر سکتے ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوا وَّنَصَرُوا أُولَٰئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا مَا لَكُم مِّن وَلَايَتِهِم مِّن شَيْءٍ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا ۚ وَإِنِ اسْتَنصَرُوكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ إِلَّا عَلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ، وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ. (الانفال ۸: ۷۲)

"جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کیا اور جن لوگوں نے ہجرت کرنے والوں کو جگہ دی اور ان کی مدد کی، وہی دراصل ایک دوسرے کے محافظ ہیں۔ رہے وہ لوگ جو ایمان تو لے آئے مگر ہجرت کر کے (مسلم ملک میں) نہیں آئے تو ان سے آپ کا حفاظت کا کوئی تعلق نہیں ہے جب تک کہ وہ ہجرت کر کے آ نہ جائیں۔ ہاں، اگر وہ دین کے معاملے میں آپ سے مدد مانگیں تو ان کی مدد کرنا آپ پر لازم ہے لیکن کسی ایسی قوم کے خلاف نہیں جس سے آپ کا معاہدہ ہو۔ جو کچھ آپ کر رہے ہیں، اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔"

3۔ کسی ایسے غیر مسلم کو قتل کرنا جائز نہیں ہے جس کی جان، مال اور آبرو کی حفاظت کا ذمہ مسلمانوں نے لیا ہو یا ان کی قوم کے ساتھ مسلمانوں کا معاہدہ ہو۔ ایسے غیر مسلموں کو فقہی اصطلاح میں "معاہد" کہا جاتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: "جس نے کسی معاہد کو قتل کر دیا تو وہ جنت کی بو بھی نہ پائے گا حالانکہ وہ چالیس سال کی سفر کے فاصلے سے بھی آجاتی ہے۔"[5]

4۔ دوران جنگ، دشمن کی خواتین، بچوں، بوڑھوں، تارک الدنیا راہبوں اور کسی بھی ایسے شخص کو قتل کرنا جائز نہیں ہے جو جنگ میں شریک نہ ہو۔ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ کا نام لے کر روانہ ہو جایئے۔ اللہ تعالی کی تائید آپ کو ملے، اور رسول کے طریقے پر ہی رہیے گا۔ کسی بوڑھے کو قتل نہ کیجیے گا اور نہ ہی کسی بچے، چھوٹے اور کسی خاتون کو۔ (مال غنیمت میں) خیانت بھی نہ کرنا۔"[6]

5۔ دشمن فوج کی خواتین کو بھی قتل کرنا جائز نہیں ہے، خواہ نرسنگ وغیرہ کے لیے ہی کیوں نہ ہوں۔ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک جنگ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ایک عورت قتل ہوئی پڑی ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "جنگ میں خواتین اور بچوں کو قتل کرنے منع فرمادیا۔"[7]

6۔ دشمن کی لاشوں کی بے حرمتی، ان کے اعضا کاٹنا جائز نہیں ہے۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اور لاشوں کا مثلہ بھی نہ کرنا۔"[8]

7۔ آگ لگا کر کسی کو مارنا جائز نہیں ہے۔ ایک روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "آگ کے ساتھ صرف اللہ تعالی ہے عذاب دے سکتا ہے۔"[9]

8۔ جنگ کے دوران اگر کوئی اسلام قبول کرنے کا اقرار کر لے تو اس قتل نہیں کیا جائے گا، خواہ یہ محسوس ہو رہا ہو کہ وہ قتل ہونے کے ڈر سے اسلام قبول کر رہا ہے۔[10]

9۔ جنگ خواہ دفاعی ہو یا اقدامی، اس میں دشمن پر زیادتی کرنا اور اخلاقی حدود سے تجاوز کرنا جائز نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

---

[5] صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب فی طاعۃ الامراء وان منعوا الحقوق، حدیث نمبر 4778
[6] سلسلۃ الصحیحۃ للالبانی، الجزء الرابع، حدیث نمبر 1700
[7] سنن ابن ماجہ، کتاب المقدمۃ، باب من کان مفتاحا للخیر، حدیث نمبر 237
[8] صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، باب ماذکر عن بنی اسرائیل، حدیث نمبر 3461
[9] صحیح بخاری، کتاب العتق، باب العبد راع فی مال سیدہ۔۔۔، حدیث نمبر 2558
[10] سنن ابن ماجہ، کتاب الصلاۃ، باب ما جاء فی صلاۃ العیدین، حدیث نمبر 1275

وَقَاتِلُوْا فِي سَبِيلِ اللهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلاَ تَعْتَدُوْا إِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ. (البقرة ۲:۱۹۰)

''اور اللہ کے رستے میں ان سے قتال کرو جو تم سے کریں اور زیادتی نہ کرو۔ اس بات میں شک نہیں کہ اللہ تعالی زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

ہاں، اگر دشمن فوج کی جانب سے کوئی زیادتی ہوئی ہو، تو اس آیت کریمہ کے تحت مسلمانوں کو اجازت ہے کہ وہ اسی حد تک اس کا جواب دے دیں۔

فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ. (البقرة ۱۹۴ :۲)

''اور جو کوئی آپ کے خلاف حدود سے تجاوز کیجیے تو جتنا تجاوز انہوں نے آپ کے خلاف کیا ہے، آپ بھی اسی کی مثل صرف انہی کے خلاف تجاوز کر سکتے ہیں۔ (اس معاملے میں بھی) اللہ سے ڈرتے رہیے اور جان لیجیے کہ اللہ متقین کے ساتھ ہے۔''

جہاد کیوں کیا جاتا ہے؟

اس ضمن میں ہم صرف انہیں باتوں کا ذکر کریں گے جن پر سب کا اتفاق ہے۔ اختلافی صورتوں کو فریقین کے دلائل کے ساتھ آپ آئندہ کبھی پڑھیں گے۔

1۔ فتنہ کا خاتمہ: جب تک کفار کو ایسی شان و شوکت اور قوت حاصل ہو کہ وہ کسی مسلمان ہونے والے شخص کو تکالیف میں مبتلا کرتے ہوں یا کوئی ایمان لانے سے اس وجہ سے خائف ہو کہ اسے ان کے تشدد کا نشانہ بننا پڑے گا تو اس صورت میں ان سے قتال کیا جائے گا۔ ارشاد باری تعالی ہے:

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلّٰه فَإِنِ انتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظّٰلِمِينَ. (البقرة 2:193)

''آپ ان سے لڑتے رہیے یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ کے لیے ہو جائے۔ پھر اگر وہ باز آ جائیں، تو سمجھ لیجیے کہ ظالموں کے سوا اور کسی پر دست درازی روا نہیں۔''

2۔ دفاع: جب کفار مسلمانوں پر حملہ آور ہو جائیں تو دفاع کے لئے لڑنا بھی ایک فطری امر ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

وَقَاتِلُوْا فِي سَبِيلِ اللهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا إِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ. (البقرة2:190)

"آپ اللہ کی راہ میں اُن لوگوں سے جنگ کیجیے، جو آپ سے لڑتے ہیں، مگر زیادتی نہ کیجیے کہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

3۔ **ظلم کی روک تھام کے لیے:** اگر دنیا کے کسی خطے میں کمزوروں پر پر ظلم ہو رہا ہو تو انہیں اس سے نجات دلانے کے لیے ظالموں سے قتال کیا جائے گا۔ ارشاد باری تعالی ہے:

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ نَصِيرًا.

"آخر کیا وجہ ہے کہ آپ اللہ کی راہ میں اُن بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر جنگ نہ کریں جنہیں کمزور پا کر دبا لیا گیا ہے اور وہ فریاد کر رہے ہیں کہ خدایا ہم کو اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی حامی و مددگار پیدا کر دے۔" (النساء4:75)

تاہم اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ اس مدد میں بھی کسی قوم کے ساتھ کیے گئے معاہدے کی خلاف ورزی کی اجازت نہیں ہے۔

وَإِنِ اسْتَنصَرُوكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ إِلَّا عَلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ. (الانفال ۷۲ :۸)

"ہاں، اگر وہ دین کے معاملے میں آپ سے مدد مانگیں تو ان کی مدد کرنا آپ پر لازم ہے لیکن کسی ایسی قوم کے خلاف نہیں جس سے آپ کا معاہدہ ہو۔ جو کچھ آپ کر رہے ہیں، اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔"

اگر معاہدہ مخصوص مدت کے لیے ہو تو اس کے خاتمے ہی پر کاروائی ممکن ہے اور اگر معاہدہ غیر محدود مدت کے لیے ہو تو پھر اسے کھلے عام ختم کر کے ہی جنگ کی جا سکتی ہے۔

وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِن قَوْمٍ خِيَانَةً فَانبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ. (الانفال ۵۸ :۸)

"اگر کسی قوم کی جانب سے آپ کو (معاہدے کی) خلاف ورزی کا خطرہ ہو تو اسے کھلے عام ان کی جانب پھینک دیجیے۔ یقیناً اللہ وعدہ خلافی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب مشرکین عرب سے جنگ کا حکم دیا گیا تو وہاں بھی ان مشرکین سے جنگ نہ کرنے کا حکم دیا گیا جن کے ساتھ مسلمانوں کا معاہدہ تھا۔

إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوكُمْ شَيْئًا وَلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتِمُّوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ. (التوبة ۹: ۴)

"سوائے ان مشرکین کے جن کے ساتھ آپ لوگوں نے معاہدہ کیا پھر انہوں نے اس میں سے کسی چیز کی کسر نہ چھوڑی اور آپ کے خلاف کسی کی مدد نہ کی، تو ان سے اس (معاہدے کی) مدت تک اپنا وعدہ پورا کیجیے۔ یقیناً اللہ پرہیز گاروں کو پسند فرماتا ہے۔"

اس تفصیل کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسلام زندگی کے اس معاملے کو بھی اخلاقیات کے دائرے میں لے آیا جس پر دنیا بھر کی قوموں نے ایک دوسرے کے خلاف ظلم و ستم کا بازار گرم کر رکھا تھا۔

رفعت نواب مصعب

تعصب: ایک فکری اندھاپن — قرآن و حدیث کی روشنی میں

تعصب ایک ایسا باطنی اور فکری مرض ہے، جو انسان کے عقل و شعور پر پردہ ڈال دیتا ہے۔ یہ ایک ایسی ذہنی حالت ہے، جس میں انسان بغیر دلیل کے کسی نظریے، قوم، فرقے یا شخصیت سے اس قدر وابستگی پیدا کر لیتا ہے کہ اگر حق اس کے خلاف آ جائے، تب وہ حق کو ماننے سے بھی انکار کر دیتا ہے۔ یہ صرف ایک نفسیاتی کیفیت نہیں بلکہ ایک ایسا فکری اندھاپن ہے جو سچائی، عدل اور انصاف کے راستے دکھائی دینا بند کر دیتا ہے۔ تعصب انفرادی اور اجتماعی زندگی کو زہر آلود کر دیتا ہے۔ یہ مرض صرف سوچ کا مسئلہ نہیں بلکہ سچائی کے قتل، عدل کی موت، علم کی تباہی، اور فرقہ واریت و قوم پرستی کے فروغ کا سبب بھی ہے۔ قرآن و سنت میں متعدد مقامات پر تعصب کی مذمت کی گئی ہے اور اس کے برعکس کھلے ذہن، عدل اور تحقیق کی تلقین کی گئی ہے۔

تعصب کی تعریف:

لفظ "تعصب" عربی کے "عَصَبَ" سے نکلا ہے، جس کے معنی ہیں: "کسی چیز کو شدت سے پکڑ لینا"۔

اصطلاحاً:

"تعصب ایسی ذہنی حالت کا نام ہے جس میں انسان بغیر دلیل کے کسی عقیدے، گروہ یا نظریے کی اندھی حمایت یا مخالفت پر اڑا رہتا ہے، خواہ حق اس کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔"

لہٰذا تعصب سے مراد ہے، کسی فرد، گروہ، عقیدے، نظریے یا قوم کی **بلا دلیل، یک طرفہ اور اندھی حمایت یا بلاوجہ مخالفت کرنا۔** مزید سادہ لفظوں یوں کہہ سکتے ہیں کہ "اپنی پسند یا ناپسند کی بنیاد پر حقیقت سے آنکھیں بند کر لینا، بغیر تحقیق کے کسی کے حق میں یا مخالفت میں جم جانا تعصب کہلاتا ہے۔

تعصب کی اقسام

1. **قومی تعصب:**
   اپنی قوم یا نسل کو افضل سمجھنا۔

2. **مسلکی تعصب:**

دوسرے مسالک کو بغیر دلیل کے گمراہ کہنا۔

3. **شخصی تعصب:**

صرف شخصیت کی بنیاد پر بات کو رد یا قبول کرنا۔

4. **سیاسی و گروہی تعصب:**

حق بات صرف اس لیے نہ ماننا کہ وہ مخالف جماعت نے کہی ہے۔

5. **آبائی تعصب:**

"ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسا کرتے دیکھا"—اس دلیل پر جم جانا۔

قرآن میں تعصب کی مذمت

قرآن حکیم نے کئی اقوام کے تعصب کو بیان کیا ہے کہ کس طرح انہوں نے اپنے قومی، نسلی یا مذہبی تعصب کی بنا پر حق کو ٹھکرا دیا تھا:

1۔ قومی تعصب (قوم پرستی)

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلَى رَجُلٍ مِنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ [الزخرف:۳۱]	اور انہوں نے کہا: یہ قرآن ان دو بستیوں کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ نازل ہوا؟

یہ قریش کا تعصب تھا، جو محمد ﷺ کو اس لئے نبی ماننے کے لیے تیار نہ تھے کہ وہ ان کی معیار بندی پر پورے نہ اترتے تھے۔

2۔ نسلی و آبائی تعصب:

إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَى أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَى آثَارِهِمْ مُقْتَدُونَ [الزخرف: ۲۳]	ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقے پر پایا اور ہم ان ہی کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں۔

یہ وہ تعصب ہے جو حق سننے اور ماننے سے روک دیتا ہے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا [البقرة:١٧٠]

"اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کرو جو اللہ نے نازل کیا ہے، تو وہ کہتے ہیں: بلکہ ہم تو اس کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا"

"یہی تعصب تھا جس نے کفار مکہ کو ایمان لانے سے روک دیا، کیونکہ وہ حق کو نہیں دیکھتے تھے بلکہ صرف یہ دیکھتے تھے کہ "ہماری قوم یا آباؤ اجداد کیا کرتے تھے"۔

احادیث میں تعصب کی مذمت

رسول اللہ ﷺ نے ہر قسم کے تعصب کو **جاہلیت** قرار دیا:

1۔ قوم پرستی کا تعصب:

مَنْ قَاتَلَ تَحْتَ رَايَةٍ عُمِّيَّةٍ، يَغْضَبُ لِعَصَبَةٍ، أَوْ يَدْعُو إِلَى عَصَبَةٍ، أَوْ يَنْصُرُ عَصَبَةً، فَقُتِلَ، فَقِتْلَةٌ جَاهِلِيَّةٌ۔ صحيح مسلم، كتاب الإمارة، باب من قاتل لتكون كلمة الله هي العليا فهو في سبيل الله، رقم الحديث: 1848

جو شخص کسی اندھے (یعنی باطل) جھنڈے کے نیچے لڑے، (اس حالت میں کہ) وہ کسی قوم یا قبیلہ کی حمایت کے لیے غصہ کرے، یا **عصبیت** کی طرف بلائے، یا **عصبیت** کی مدد کرے، پھر وہ قتل کر دیا جائے تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہے۔

یہ حدیث **تعصب**، **عصبیت** اور نسلی یا لسانی برتری کے دعوے کو سختی سے رد کرتی ہے۔ نبی ﷺ نے واضح فرمایا کہ اگر کوئی شخص قوم پرستی، فرقہ پرستی، یا کسی باطل گروہ کے لیے جنگ کرے اور مر جائے، تو اس کی موت **اسلامی موت نہیں بلکہ جاہلیت کی موت ہے**۔

2۔ تعصب کی وجہ سے ہلاکت:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَيْسَ مِنَّا مَنْ دَعَا إِلَى عَصَبِيَّةٍ، وَلَيْسَ مِنَّا مَنْ قَاتَلَ عَلَى عَصَبِيَّةٍ، وَلَيْسَ مِنَّا مَنْ مَاتَ عَلَى عَصَبِيَّةٍ۔ السلسلة الصحيحة، **حديث** 1630؛ ابو داؤد: 5119

"جو عصبیت کی طرف بلائے، وہ ہم میں سے نہیں، جو عصبیت پر لڑے، وہ ہم میں سے نہیں، اور جو عصبیت پر مرے، وہ ہم میں سے نہیں۔"

وضاحت": لَيْسَ مِنَّا یہ تعبیر نبی ﷺ کی طرف سے سخت ناراضی کے اظہار کے لیے استعمال ہوتی ہے، یعنی ایسا شخص نبی کی سنت و سیرت کے راستے پر نہیں۔ **عصبیت** سے مراد کسی قوم، قبیلے، زبان، مسلک یا گروہ کی اندھی حمایت کرنا، چاہے وہ حق پر ہو یا نہ ہو۔

متعصب شخص کی نشانیاں

متعصب شخص (Prejudiced Person) کی شخصیت، سوچ اور رویے میں کچھ واضح نشانیاں ہوتی ہیں جو اسے حق سے محروم کر دیتی ہیں اور دوسروں کے لیے نقصان دہ بنا دیتی ہیں۔ ذیل میں **متعصب شخص کی کچھ واضح نشانیاں** بیان کی جا رہی ہیں:

1. **متعصب شخص پہلے سے ذہن بنالیتا ہے**

وہ حق یا دلیل سننے سے پہلے ہی کسی بات کے سچ یا جھوٹ ہونے کا فیصلہ کر چکا ہوتا ہے، اس لیے وہ نئے دلائل کو قبول کرنے کے لیے تیار ہی نہیں ہوتا۔ وہ سمجھتا ہے کہ چونکہ یہ بات میرے نظریے یا گروہ کے خلاف ہے، لہٰذا غلط ہے۔

2. **ہر حال میں اپنی رائے کو درست سمجھنا**

وہ کسی بھی اختلافِ رائے کو برداشت نہیں کرتا اور اپنی بات کو حرفِ آخر سمجھتا ہے۔

3. **خلافِ توقع بات سننے کا حوصلہ نہیں ہوتا**

اگر کوئی بات اس کی رائے کے خلاف ہو، تو وہ فوری طور پر رد کر دیتا ہے، چاہے وہ کتنی ہی درست کیوں نہ ہو۔

4. **صرف شخصیت دیکھنا، دلیل نہیں**

"کس نے کہا؟" پر غور کرتا ہے، "کیا کہا؟" اس سے غافل ہوتا ہے۔

5. **دوسروں کی بات سننے کا حوصلہ نہ رکھنا**

اسے سننے سے زیادہ بولنے میں دلچسپی ہوتی ہے؛ سننے کا ظرف نہیں رکھتا۔

6. **اختلاف کرنے والے کو دشمن سمجھنا**

جس کا نظریہ یا مسلک اس سے مختلف ہو، وہ فوراً اسے گمراہ، فاسق یا دشمن قرار دیتا ہے۔

7. **اختلاف کرنے والے کو دشمن سمجھنا**

جس کا نظریہ یا مسلک اس سے مختلف ہو، وہ فوراً اسے گمراہ، فاسق یا دشمن قرار دیتا ہے۔

8. **وہ انصاف سے محروم ہوتا ہے**

متعصب شخص کسی معاملے میں دونوں طرف کی بات سننے اور ان کا موازنہ کرنے کے بجائے صرف ایک طرفہ سوچتا ہے۔

9. **سچائی کو ذاتی خطرہ سمجھتا ہے**

سچ اگر اس کے نظریے یا پسند کے خلاف ہو، تو وہ اسے اپنے لئے خطرہ محسوس کرتا ہے، اس لیے انکار کر دیتا ہے۔

10. **انا (Ego) غالب ہوتی ہے**

تعصب اصل میں "انا پرستی" کا دوسرا نام ہے۔ اپنی رائے کی شکست یا غلطی تسلیم کرنا اس کے لیے ناقابلِ برداشت ہوتا ہے۔ اس لئے اپنی رائے کی غلطی تسلیم کرنا اسے اپنی ہار لگتی ہے، اس لیے وہ حقیقت سے منہ موڑ لیتا ہے۔

11. **انصاف کا خاتمہ**

تعصب انصاف کو تباہ کر دیتا ہے۔ وہ شخص دلیل نہیں دیکھتا، صرف "کون کہہ رہا ہے" دیکھتا ہے۔

12. **حق کے خلاف دفاع**

اگر حق اس کی پسند کے خلاف ہو، تو وہ اسے قبول کرنے کے بجائے رد کر دیتا ہے۔

13. **علم کے بجائے جذبات سے فیصلہ کرنا**

دلیل، منطق، قرآن و سنت کے بجائے جذبات اور نفرت پر فیصلے کرتا ہے۔

14. **فرقہ، قوم یا جماعت کو نجات دہندہ سمجھنا**

صرف اپنی جماعت یا فرقے کو حق پر سمجھتا ہے، باقی سب کو باطل قرار دیتا ہے۔

15. **اپنے مسلک یا قبیلے پر فخر کرنا**

نسلی، لسانی یا مسلکی برتری کے زعم میں مبتلا ہوتا ہے، چاہے دلیل اس کے خلاف ہو۔

16. **دوسروں کی تحقیر کرنا**

دوسرے نظریات یا افراد کا مذاق اُڑانا، انہیں "کم عقل" کہنا اس کا معمول ہوتا ہے۔

17. **دینی معاملات میں انصاف سے گریز**

وہ اپنے گروہ کے جرم کو نظر انداز کرتا ہے، مگر مخالف کی چھوٹی غلطی کو بھی بڑھا چڑھا کر بیان کرتا ہے۔

18. **تحقیق سے دوری**

مطالعہ، تحقیق یا علمی گفت و شنید سے گریز کرتا ہے کیونکہ وہ جاننا ہی نہیں چاہتا۔

19. **تنگ نظری کا شکار ہوتا ہے**

وسیع النظر اور متوازن مزاج نہیں ہوتا، صرف اپنی چھوٹی دنیا میں محدود ہوتا ہے۔

20. **کبھی معافی یا رجوع کا جذبہ نہیں رکھتا**

اپنی غلطی کو تسلیم کرنا اس کی انا کے خلاف ہوتا ہے۔

21. نصیحت قبول نہیں کرتا

اگر کوئی خیر خواہی سے بھی سمجھائے، تو اسے حسد یا دشمنی سمجھتا ہے۔

یاد رکھیں کہ یہ ساری نشانیاں یا ان میں سے کچھ نشانیاں ہمارے دل میں بھی اگر کسی درجے میں موجود ہیں تو ہمیں سچی توبہ کرنی چاہیے، ورنہ ہم بھی کسی نہ کسی درجہ میں تعصب کا شکار ہو سکتے ہیں۔

تعصب اور اسلام کا پیغام

اسلام ہمیں **عقل، تحقیق، عدل اور کھلے دل سے سننے** کی تعلیم دیتا ہے:

فَبَشِّرْ عِبَادِ (١٧) الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ [الزمر: ١٧،١٨]

پس خوشخبری دے میرے ان بندوں کو، جو بات کو غور سے سنتے ہیں اور بہترین بات کی پیروی کرتے ہیں۔

تعصب کے نقصانات:

1. **علمی زوال :** تحقیق، مطالعہ، اور علمی مکالمہ ختم ہو جاتا ہے۔
2. **اجتماعی اختلاف :** امت ٹکڑوں میں بٹ جاتی ہے۔
3. **عدل کی موت :** فیصلے ذاتی تعصب کی بنیاد پر ہوتے ہیں۔
4. **حق کا انکار :** جب تعصب غالب آتا ہے، تو حق واضح ہونے کے باوجود رد کر دیا جاتا ہے۔

تعصب کے مشہور تاریخی نتائج:

1. **یہود و نصاریٰ کا حق سے انکار** — کیونکہ وہ محمد ﷺ کو بنو اسماعیل میں سے ہونے کی وجہ سے آپ پر ایمان لانے کو تیار نہ تھے۔
2. **کفارِ قریش کا رد** — کہ وہ بنی ہاشم کو ماننے کے لیے تیار نہ تھے۔
3. **مسلمانوں میں فرقہ واریت** — اہل السنہ، اہل تشیع، اہل حدیث، بریلوی، دیوبندی... جب یہ شناخت "دلیل" پر غالب آ جائے، تو یہی تعصب ہے۔

تعصب کے نتائج و نقصانات:

1. **علمی ترقی کی رکاوٹ:**

تعصب انسان کو تحقیق اور سیکھنے سے روکتا ہے۔

2. **فرقہ واریت اور انتشار:**

تعصب مختلف گروہوں، مذاہب اور فرقوں میں نفرت کو جنم دیتا ہے۔

3. **عدل و انصاف کا خاتمہ:**

جہاں تعصب ہو، وہاں انصاف ممکن نہیں۔

ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

- ہمیں چاہیے کہ ہر بات کو دلیل اور تحقیق کی بنیاد پر جانچیں۔
- شخصیات یا گروہوں کی اندھی تقلید سے بچیں۔
- اپنی رائے کو ہر حال میں درست نہ سمجھیں، بلکہ حق کے سامنے جھکنے کا حوصلہ رکھیں۔
- مسلمان کا شعار علم، عدل اور دلیل ہوتا ہے—نہ کہ اندھی وابستگی۔
- ہمیں چاہیے کہ ہم دلیل کو دیکھیں، نہ کہ قبیلہ، مسلک یا شخصیت۔

میرے بھائیو! قرآن و حدیث ہمیں دعوت دیتے ہیں کہ ہم ہر بات کو کھلے دل و دماغ سے سنیں، دلیل کو سمجھیں، اور صرف حق کی پیروی کریں، چاہے وہ ہماری رائے یا گروہ کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ آج کا انسان، چاہے وہ کسی مذہب، فرقے، قوم یا نظریے سے تعلق رکھتا ہو، اگر وہ سچائی چاہتا ہے تو اسے تعصب کی عینک اتار کر، علم و تحقیق کی روشنی میں حق کی تلاش کرنی ہو گی۔ یہی قرآن کا پیغام ہے، اور یہی سنتِ نبوی ﷺ کا اسلوب۔

آیئے اللہ سے دعا کریں کہ وہ ہمیں تعصب سے محفوظ رکھے اور ہمیں صرف حق کی پیروی کی توفیق دے۔

اَللّٰهُمَّ أَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَارْزُقْنَا اتِّبَاعَهُ، وَأَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَارْزُقْنَا اجْتِنَابَهُ۔ اَللّٰهُمَّ طَهِّرْ قُلُوْبَنَا مِنَ الْعَصَبِيَّةِ وَالْكِبْرِ وَالْحَسَدِ، وَاجْعَلْنَا مِنْ عِبَادِكَ الْمُخْلِصِيْنَ، وَمِنَ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ۔ اَللّٰهُمَّ أَصْلِحْ أَحْوَالَ الْمُسْلِمِيْنَ، وَانْزِعْ مَا فِي قُلُوْبِنَا مِنْ غِلٍّ لِّلَّذِيْنَ آمَنُوْا۔

محمد مبشر نذیر

مایوسی سے نجات کیوں کر ممکن ہے؟ پارٹ 2

مایوسی کی وجوہات

منفی ذہنیت

بعض لوگ منفی ذہنیت کے حامل ہوتے ہیں۔ اگر زندگی میں انہیں چند ناکامیوں کا منہ دیکھنا پڑے تو وہ اسے پوری زندگی کا روگ بنا لیتے ہیں۔ اس کے بعد ان کی زندگی کا واحد مقصد اپنی مایوسی کو دوسروں تک منتقل کرنا ہی رہ جاتا ہے۔ یہ جب کسی محفل میں بیٹھتے ہیں تو مایوسی ہی کی بات کرتے ہیں، کسی کو خوش دیکھتے ہیں تو اسے اداس کرنے کی کوشش کرتے ہیں، ہر چیز کے منفی پہلو کو نمایاں کرتے ہیں اور ایک مفکر کی دی گئی مثال کے مطابق مکھی کی طرح جسم کے اسی حصے پر بیٹھتے ہیں جو گلا سڑا ہو اور اس میں پیپ پڑی ہوئی ہو۔ اگر اپنی خوش قسمتی اور دوسروں کی بدقسمتی سے یہ شاعر، ادیب، کالم نگار، صحافی، ڈرامہ نگار، مصور، موسیقار، گلوکار یا اداکار بن جائیں تو اپنی اس مایوسی کو پورے معاشرے میں پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر انہیں کسی فن میں نقاد کی حیثیت حاصل ہو جائے تو پھر مایوسی پیدا کرنے والی ہر تحریر، ہر نظم، ہر نغمے، ہر تصویر اور ہر ڈرامے کو شاہکار اور شہ پارے کا درجہ بھی مل جاتا ہے۔ جو لوگ بھی ان سے متاثر ہوتے ہیں، ان کی زندگی پھر غم اور مایوسی کی تصویر بن جاتی ہے۔ جو کوئی بھی مایوسی ہی کو اپنا مقصد حیات بنانا چاہے اس کا تو کچھ بھی نہیں کیا جا سکتا لیکن جو اس مایوسی سے نجات حاصل کرنا چاہے اس کے لئے لازم ہے کہ وہ ایسے لوگوں سے مکمل طور پر اجتناب کرے۔ اگر انہیں دور سے آتا دیکھے تو فوراً راستہ بدل لے۔ اگر کسی محفل میں انہیں بیٹھا دیکھ لے تو اس میں جانے ہی سے گریز کرے۔ اگر وہ گھر آ جائیں تو انہیں مایوسی پھیلانے والے موضوعات پر بات کرنے سے روکنے کے لئے کوئی اور موضوع چھیڑ کر ان سے جان چھڑانے کی کوشش کرے۔ ان کی تحریروں، نظموں، نغموں اور ڈراموں کا مکمل بائیکاٹ کرے۔ اگر آپ تھوڑا سا غور کریں تو اپنے ارد گرد پھیلے ہوئے معاشرے میں سے ایسے لوگوں کو باآسانی بلیک لسٹ کر سکتے ہیں۔

فکری جمود اور فکر و عمل میں تضاد

مایوسی کی شاید سب سے بڑی وجہ ہماری سوچ میں جمود (Rigidity) اور ہماری فکر اور عمل میں تضاد ہے۔ سوچ میں جمود اس وقت پیدا ہوتا ہے جب انسان تجربے اور مشاہدے کے روشنی میں اپنے فکر و عمل کا تنقیدی جائزہ لینے زحمت نہ کرے۔ وہ اپنی ہر سوچ اور عمل کو درست سمجھے اور دوسروں کو غلط سمجھے۔ اپنی غلطیوں سے سبق سیکھنے کی بجائے ان کا الزام دوسروں کو دے اور اپنی ڈگر پر چلتا رہے۔

اس کی عام مثال یہ ہے کہ ایک شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ کرکٹ کا بہت بڑا کھلاڑی بن جائے۔ اس مقصد کے لئے وہ کوئی زیادہ محنت نہ کرتا اور نہ ہی کرکٹ کی کوئی زیادہ پریکٹس کرتا ہے۔ وہ قومی ٹیم میں خود کو شامل نہ کئے جانے کا الزام خود کو دینے کی بجائے سلیکٹرز اور نظام ہی کو دیتا رہتا ہے۔ اسے اپنی خامیوں کا کوئی احساس نہیں ہوتا بلکہ وہ دوسروں ہی کو مورد الزام ٹھہراتا رہتا ہے۔ یہ درست ہے کہ اس طرح کے معاملات میں بسا اوقات دوسرے بھی جانبداری اور تعصب سے کام لیتے ہیں لیکن اگر انسان اپنے رویے میں لچک پیدا کرے اور فکر اور عمل کے تضاد کو دور کرتے ہوئے محنت کرے اور اپنی خامیوں کو دور کرے تو کچھ عرصے کی ناکامیوں کے بعد وہ کامیابی حاصل کر ہی لیتا ہے۔

اگر ذرا غور کیا جائے تو یہ بات واضح ہو گی کہ یہ مایوسی صرف ہماری ذات تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ بحیثیت ایک قوم کے ہم اس کا شکار ہو چکے ہیں۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے قومی زوال کی وجہ صرف اور صرف بیرونی ممالک کی سازشیں ہیں۔ اگر میدان جنگ میں ہمیں شکست ہوتی ہے تو اس کا الزام ہم براہ راست دشمن کی سازش اور اندرونی غداروں پر ڈال دیتے ہیں۔ ہم یہ نہیں سوچتے کہ وہ کیا اسباب ہیں جن کی وجہ سے یہ غدار صرف ہماری طرف ہی پیدا ہوتے ہیں اور ہمارے دشمن کے ہاں کوئی غدار کیوں جنم نہیں لیتا؟ ہماری افواج اور انٹیلی جنس ایجنسیاں بھی دشمنوں کے خلاف سازشیں کرتی ہیں لیکن کامیاب صرف ان دشمنوں ہی کی سازشیں کیوں ہوتی ہیں اور ہمارے منصوبے اور چالیں خاک میں کیوں مل جاتے ہیں؟ ہمارا ہر حملہ ناکام اور ان کا ہر حملہ کامیاب ہی کیوں ہوتا ہے؟ اس کی کیا وجہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والے ہو کر بھی دنیا میں مغلوب ہیں اور ہمارا دشمن انہیں نہ مان کر بھی فاتح ہے؟

یہ مایوسی اس حقیقت کو نہ جاننے کی وجہ سے ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ اس کائنات کا نظام کو چند سائنسی قوانین کے ذریعے چلا رہا ہے اسی طرح اس نے قوموں کے عروج و زوال کے بھی کچھ قوانین بنائے ہیں۔ جو حضرات اس موضوع سے دلچسپی رکھتے ہوں ان کے لئے محترم دوست ریحان احمد یوسفی کی کتاب "قوموں کے عروج و زوال کا قانون اور پاکستان" کا مطالعہ بہت مفید ہو گا۔ میں یہاں صرف اتنا عرض کر دوں کہ اللہ تعالیٰ صرف اسی قوم کو اس دنیا میں عروج عطا کرتا ہے جو دوسری قوموں کی نسبت اخلاقی اعتبار سے بہتر ہو؛ جو اپنے دور کے علوم، سائنس اور ٹیکنالوجی میں اپنی معاصر اقوام پر برتری رکھتی ہو؛ جس میں دوسری اقوام کی نسبت بہتر تنظیم پائی جاتی ہو؛ اور جو اپنے وسائل کو بہتر طریقے سے استعمال کرنا جانتی ہو۔ تاریخ میں اس اصول سے استثنا صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے رسولوں اور ان کے ساتھیوں کو حاصل ہوتا رہا ہے جن کو غالب کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ غیب سے مدد فرماتا رہا۔ ختم نبوت و رسالت کے بعد یہ مدد آ بھی سکتی ہے اور نہیں بھی۔ اس کی کوئی گارنٹی نہیں ہے کہ ہر معاملے میں ہم جو مرضی آئے غلطیاں کرتے پھریں اور اللہ تعالیٰ ہماری مدد کے لئے فرشتے نازل کرتا رہے۔ اللہ تعالیٰ سے بے جا امیدیں اور توقعات وابستہ کر کے اس کا امتحان لینے والے ہمیشہ ناکام ہی رہتے ہیں۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ ہم اپنی معاصر اقوام کی نسبت اخلاقی اعتبار سے بھی کمزور ہیں، علمی اعتبار سے ہمارا شمار جاہل ترین

اقوام میں ہوتا ہے، دوسری اقوام کی تنظیم (Organisation) کے مقابلے میں ہمیں ایک منتشر ہجوم (Crowd) ہی قرار دیا جاسکتا ہے اور وسائل کا استعمال شاید ہم ہی سب سے زیادہ برے طریقے سے کرتے ہیں۔ ان سب کے باوجود ہم یہ سمجھتے ہیں کہ قوموں کے درمیان جب مقابلہ ہو تو ہم ہی غالب ہوں اور دنیا پر ہمارا ہی جھنڈا لہرائے۔ ہماری دعاؤں کے نتیجے میں دشمن کے میزائلوں، بموں اور توپوں میں کیڑے پڑ جائیں۔ ہم پتھر بھی ماریں تو وہ ان پر ایٹم بم بن کر گرے اور وہ ہمیں ہائیڈروجن بم بھی مار دیں تو وہ ہمیں پھول کی طرح لگے۔ یہ ہوائی قلعے ذہنوں کو بڑے اچھے لگتے ہیں لیکن جب ہمیں کوئی تلخ حقیقتوں سے آشنا کرنا چاہے تو ہم اسے رجعت پسند، دشمن کا ایجنٹ، ففتھ کالمسٹ اور نہ جانے کیا کیا خطابات دے ڈالتے ہیں۔ حقیقی دنیا میں جب معاملہ ہمارے ان تصوراتی (Fantanstic) خیالات کے برعکس پیش آتا ہے تو ہم ایک قومی مایوسی کا شکار ہو جاتے ہیں۔

اگر ہم دوسروں کی سازشوں کا رونا رونے اور انہیں طعنے اور کوسنے دینے کی بجائے اپنے اخلاق اور علم کو بہتر بنانے کی کوشش کر لیتے تو اقوام عالم میں ہمارا مقام پہلے سے بہت بہتر ہوتا اور ہم ہر سازش کا مقابلہ بھی باآسانی کر لیتے۔ اس ضمن میں جتنی بھی کوششیں ہوئی ہیں، انہیں اللہ تعالیٰ نے کامیابی سے نوازا ہے۔ اس کی واضح مثال پاکستان کی صورت میں دیکھی جاسکتی ہے۔ پاکستان کے مسلمانوں کی عملی، علمی، معاشی اور اخلاقی اعتبار سے قرآن کے آئیڈیل کے مطابق تو نہیں لیکن 1930 کے مسلمانوں کی نسبت ان کی حالت بہر حال بہت بہتر ہے۔

معاشی وجوہات

مایوسی کی یہ وجوہات جو ہم نے اوپر بیان کیں زیادہ تر ایسی تھیں جن پر اگر انسان چاہے تو اپنے ذہن اور کردار میں مناسب تبدیلیاں کر کے قابو پا سکتا ہے۔ ان سب کے علاوہ ہمارے معاشرے میں مایوسی کی ایک اور قسم پھیلی ہوئی ہے جو سب سے زیادہ شدید ہے اور اس کے اثرات اتنے واضح ہیں کہ انہیں ہر شخص محسوس کر سکتا ہے۔ یہ ذرائع معاش کی کمی اور بے روزگاری سے پیدا ہونے والی مایوسی ہے۔ ملک بھر میں زیادہ تر خودکشیوں کی بنیاد یہی مایوسی ہے۔

چونکہ ہمارے معاشروں میں معاش کی ذمہ داری بالعموم مرد ہی سنبھالتا ہے اس لئے اس قسم کی مایوسی کا شکار زیادہ تر مرد حضرات ہی ہیں اور خودکشی بھی زیادہ یہی کرتے ہیں۔ بعض اوقات تو یہ پورے خاندان سمیت خودکشی کر لیتے ہیں۔ ہمارے مفکرین اور دانشور اس مایوسی کے خاتمے کے لئے جو تجاویز پیش کرتے ہیں، ان پر عمل درآمد حکومت ہی کر سکتی ہے۔ ہم اس تحریر میں ان لوگوں کے لئے چند تجاویز پیش کر رہے ہیں جو اس قسم کی مایوسی کا شکار ہیں۔

اگر ہم بے روزگاروں اور اس کی بنیاد پر خودکشی کرنے والوں کے اعداد و شمار کا جائزہ لیں تو چند حیرت انگیز نتائج ہمیں معلوم ہوتے ہیں۔ معاشی مسئلے کی وجہ سے پر خودکشی کرنے والوں میں بلا تفریق مذہب چند کمیونیٹیز سے تعلق رکھنے والے افراد کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے۔ ان کمیونیٹیز میں قبائلی پٹھان، میمن برادری، بوہری برادری، اسماعیلی برادری، قادیانی مذہب اور پارسی مذہب سے تعلق رکھنے والے افراد ہیں۔ راقم الحروف نے ان کمیونیٹیز سے تعلق رکھنے والے چند افراد سے مل کر یہ

جاننے کی کوشش کی ہے کہ ان میں خود کشی کرنے کی شرح اتنی کم کیوں ہے ؟اس سلسلے میں مجھے جو معلومات مل سکیں وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہیں۔

میمن برادری زیادہ تر پاکستان اور ہندوستان کے مغربی ساحلی شہروں میں آباد ہے۔ یہ لوگ زیادہ تر کاروبار سے منسلک ہوتے ہیں جو بالعموم ان کے آباؤ اجداد کے زمانے سے ہی مالی طور پر مستحکم ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے اس برادری کے زیادہ تر افراد کو کوئی معاشی مسئلہ درپیش نہیں ہوتا۔ ان کی ایک بہت ہی قلیل تعداد کو اگر کسی وجہ سے معاشی مسائل کا سامنا کرنا ہی پڑتا ہے تب ان کے اپنے رشتے دار ہی ان کی مدد کے لئے کافی ہوتے ہیں۔ رشتے داروں کے علاوہ ان کے بہت سے کمیونٹی سنٹر اور جماعت خانے بھی ہوتے ہیں جہاں فلاحی مراکز قائم کئے جاتے ہیں۔ ان مراکز میں اپنی برادری کے علاوہ دوسرے انسانوں کو بھی سہولیات فراہم کی جاتی ہیں۔ اس وجہ سے ان کے ہاں ایسے لوگ شاید بالکل ہی نہیں پائے جاتے جو معاشی مسئلے کی وجہ سے خود کشی پر مجبور ہو جائیں۔

بوہری برادری کے ہاں بھی اسی سے ملتا جلتا نظام پایا جاتا ہے۔ اسماعیلی برادری کا نظام کچھ مختلف ہے۔ ان کے ہاں ہر شخص کو اپنی آمدن کا کچھ حصہ اپنے امام ، آغا خان کے پاس جمع کروانا پڑتا ہے۔ پاکستان کے اسماعیلیوں کی زیادہ تر تعداد شمالی علاقوں گلگت، ہنزہ وغیرہ میں آباد ہے۔ اس کے علاوہ ان کی بڑی تعداد کراچی شہر میں بھی رہتی ہے۔ کراچی میں رہنے والے زیادہ تر کاروبار یا اعلیٰ ملازمتوں سے متعلق ہیں۔ ان لوگوں کو کوئی بڑا معاشی مسئلہ درپیش نہیں۔ جماعتی سطح پر شمالی علاقوں میں انہوں نے بہت سے ترقیاتی منصوبے شروع کئے ہوئے ہیں جن سے وہاں کے لوگوں کے مسائل کو حل بھی کیا جاتا ہے اور انہیں روایتی ٹور ازم انڈسٹری کے علاوہ روزگار بھی فراہم کیا جاتا ہے۔ اس کا اندازہ شمالی علاقوں کے دیہات میں جا کر ہوتا ہے۔ ان علاقوں میں جو نوجوان تعلیم حاصل کر لیتے ہیں، انہیں کراچی میں لا کر سیٹل کر دیا جاتا ہے اور اس سلسلے میں برادری کا ہر شخص اپنا مذہبی فرض سمجھ کر کوشش کرتا ہے۔ قادیانی حضرات کے ہاں بھی اس طرز کا نظام رائج ہے اور وہ اس نظام کی مدد سے اپنے مذہب کی تبلیغ اور فروغ کے لئے بھی بھرپور جدوجہد کر رہے ہیں۔

پاکستان کے عام مسلمانوں میں اس طرز کی کوششوں کی بہت کم مثالیں مل سکتی ہیں۔ اس کی ایک مثال لاہور کے اندرون شہر اور شمالی لاہور ہیں جہاں کسی حد تک اس طرز کی اجتماعی خدمات انجام دی جاتی ہیں جس کے نتیجے میں شہر کے ان علاقوں میں غربت اور مالی مسائل کی وجہ سے خود کشی کرنے کی شرح شہر کے دوسرے علاقوں کی نسبت بہت کم ہے۔

یہ سب طریق ہائے کار ایسے ہیں جو ایک پوری برادری یا کمیونٹی کی مدد سے ہی چل سکتے ہیں۔ اگر کوئی کمیونٹی اس طرز کا نظام اپنے ہاں رائج کر لے تو غربت، مہنگائی اور دوسرے معاشی مسائل کے اس جن کو اپنی حد تک قابو کر سکتی ہے۔ اس نظام کو قائم کرنے کے لئے ان کمیونیٹیز کے نظاموں کا تفصیلی مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ اس کے برعکس اگر کسی شخص کو ایسی کمیونٹی میسر نہ

ہو تو اس کے لئے بہترین مثال صوبہ سرحد اور بلوچستان کے قبائلی علاقوں سے تعلق رکھنے والے ان پٹھانوں کی ہے جو بڑے شہروں بالخصوص کراچی میں آباد ہیں۔

ہماری معلومات کے مطابق ان کے ہاں میمن برادری کی طرح کوئی بڑا اجتماعی نظام تو قائم نہیں ہے لیکن ان لوگوں نے اپنے سادہ طرز زندگی اور چھوٹے چھوٹے گروپس کی مدد سے جس طرح ان مسائل پر کافی حد تک قابو پالیا ہے، اس کی کوئی اور مثال کسی پاکستانی کمیونٹی میں نہیں ملتی۔ شاید پاکستان سے باہر کسی اور ملک میں رہنے والے پاکستانی اس طریقے سے اپنے مسائل پر قابو پاتے ہوں۔

قبائلی علاقوں میں معاش اور روزگار کے مواقع نسبتاً کم ہیں۔ بعض علاقوں میں کسی حد تک زراعت اور کہیں کہیں گھریلو صنعت ہی ذریعہ معاش ہے۔ چند لوگ تجارت کرتے ہیں جس میں بالعموم بڑے شہروں سے مختلف چیزیں لا کر اپنے علاقوں میں فروخت کرتے ہیں۔ ان کے بہت سے نوجوان روزگار کی تلاش میں پاکستان کے تمام بڑے شہروں بالخصوص کراچی میں آتے ہیں۔ جب بھی کوئی نوجوان کراچی میں آتا ہے تو اسے اپنے رشتے داروں، قبیلے کے دوسرے افراد اور دوستوں کا ایک مستحکم نیٹ ورک پخیر راغلے کہتا ہے۔ اس کے یہ ساتھی بالعموم کوئی بہت امیر نہیں ہوتے۔ ان کا ذریعہ معاش بھی محض محنت مزدوری، چائے کے ہوٹلوں میں کام، بنگلوں میں چوکیداری، بسوں میں ڈرائیوری یا کنڈیکٹری، ٹیکسی یا رکشہ چلانا یا پھر ٹھیلوں وغیرہ پر ہونے والا کام ہوتا ہے۔ یہ لوگ محنت کا کوئی بھی کام کرنے میں بالکل شرم محسوس نہیں کرتے۔ نئے آنے والے ساتھی کے لئے انہوں نے کسی نہ کسی روزگار کا بندوبست کر رکھا ہوتا ہے۔ اس طرح یہ لوگ کچھ نہ کچھ کما ہی لیتے ہیں۔ ان میں سے کسی کی آمدنی بالعموم چار پانچ ہزار روپے ماہانہ سے زیادہ نہیں ہوتی لیکن اپنے سادہ طرز زندگی کی وجہ سے ان کے اخراجات بہت کم ہوتے ہیں۔ اس رقم میں سے یہ خود پر ہزار بارہ سو روپے خرچ کر کے باقی رقم اپنے گھر میں بھیج دیتے ہیں۔ ان کی خواتین بھی انہی کی طرح محنتی اور جفاکش ہوتی ہیں۔ وہ بھی اپنے گھر میں کوئی نہ کوئی کام کر کے تھوڑی بہت رقم کما رہی ہوتی ہیں۔ ہر گھرانہ اپنی کل آمدنی کو خرچ نہیں کرتا بلکہ اس میں سے بھی کچھ نہ کچھ بچا لیتا ہے۔ کچھ رقم جمع کر کے کچھ عرصے بعد یہ لوگ زمین یا کوئی جائیداد بھی خرید لیتے ہیں۔ اگر کسی شخص کو کوئی حادثہ پیش آجائے یا پھر وہ بیمار ہو جائے تو اس کا پورا گروپ اپنی آمدنی میں سے تھوڑی تھوڑی رقم جمع کر کے ایک معقول رقم اسے مہیا کر دیتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ لوگ باری باری کچھ عرصے بعد دو دو تین تین ماہ کے لئے اپنے گھر بھی چلے جاتے ہیں اور اس دوران اس کے دوسرے ساتھی اس کے کام کی دیکھ بھال بھی کرتے رہتے ہیں۔ یہ اسی نظام کی برکات ہیں کہ ان لوگوں میں بھیک مانگنے والوں کی تعداد بہت کم ملتی ہے اور مالی مسائل کی وجہ سے خودکشی کرنے والوں کی تعداد بھی نہ ہونے کے برابر ہے۔

ایسے لوگ جو غربت اور مالی مسائل کا شکار ہوں، وہ دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلانے کی بجائے محض چند افراد کا گروپ بنا کر اپنے مالی مسائل کو کسی حد تک کم کر سکتے ہیں۔ مثلاً ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ایک جگہ کام کرنے والے چند مزدور، یا پھر ایک

دفتر میں کام کرنے والے افراد مل کر یہ طے کریں کہ ایک دوسرے کے مالی مسائل کو کم کرنے میں وہ ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ ایک مزدور کی ماہانہ آمدنی تین ساڑھے تین ہزار کے قریب ہوتی ہے۔ اگر دس مزدور مل کر یہ طے کر لیں کہ وہ روزانہ صرف پانچ روپے اپنے کسی قابل اعتماد ساتھی کے پاس جمع کروائیں گے تو ایک مہینے میں یہ لوگ با آسانی پندرہ سو روپے اور چھ ماہ میں نو ہزار روپے کی رقم جمع کر سکتے ہیں۔ ان میں سے کسی کو اگر کسی دن مزدوری نہ ملے یا وہ بیمار ہو جائے یا پھر اسے کوئی اور مسئلہ در پیش ہو تو اس اجتماعی فنڈ سے ممکن حد تک اس کی مدد کی جا سکتی ہے۔ اس طرح یہ لوگ معمولی سی رقم ادا کر کے اپنے مسائل کو کسی حد تک کم کر سکتے ہیں۔ اس معاملے میں ضرورت صرف قابل اعتماد ساتھیوں کی ہے۔ مغربی ممالک میں اسی نظام کو بہت وسیع پیمانے پر پھیلا کر Employment Insurance کا نظام وضع کیا گیا ہے۔ اس میں ہر شخص کو اپنی آمدنی کا ایک معمولی سا حصہ مثلاً 0.5٪ فنڈ میں جمع کروانا لازم ہوتا ہے۔ ان فنڈز کا انتظام فیڈرل یا سٹیٹ گورنمنٹ کرتی ہے۔ جب بھی کوئی بے روزگار ہوتا ہے تو اسے اسی فنڈ سے اتنی رقم ادا کر دی جاتی ہے جو اس کی کم از کم بنیادی ضروریات کو پورا کر سکے۔

شہری علاقوں میں رہنے والے ہمارے عام پاکستانی بھائیوں کے مالی مسائل کی ایک اور بڑی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ہر شخص دفتر میں بیٹھ کر آرام و سکون سے کام کرنا ہی پسند کرتا ہے۔ تعلیم کو صرف اور صرف روزگار کے حصول کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ شروع ہی سے ہر بچے کے ذہن میں یہ بٹھایا جاتا ہے کہ اسے بڑا ہو کر افسر ہی بننا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے عام پڑھے لکھے نوجوان محنت کے کاموں سے جی چراتے ہیں اور بس افسری ہی کا خواب سجاتے ہیں۔ اہل مغرب کی ایک خوبی یہ ہے کہ ان کے ہاں کسی پیشے کو حقیر نہیں سمجھا جاتا۔ متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والے طالب علم عام طور پر تعلیم کے ساتھ ساتھ کسی پیٹرول پمپ پر کام کرنے، گاڑیاں دھونے، ہوٹلوں میں برتن دھونے یا اخبار بیچنے میں کوئی قباحت محسوس نہیں کرتے۔ اس طرح وہ با آسانی اتنی رقم کما لیتے ہیں جو ان کے تعلیمی اخراجات پورے کرنے کے لئے کافی ہو۔ ہر شخص ائر کنڈیشنڈ دفتر، بنگلہ، گاڑی اور خوبصورت سیکرٹری کے خواب نہیں سجاتا۔

اگر ہم اپنے رویے کو اس حد تک ہی تبدیل کرنے کے لئے تیار ہوں کہ کسی کام کو حقیر نہ سمجھیں اور جو کام بھی ملے اسے کرنے پر تیار ہوں تو کافی حد تک بے روزگاری کے مسائل پر قابو پایا جا سکتا ہے۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوانوں کو بھی جب تک ان کی پسند کی جاب نہ ملے، اور وہ جی کڑا کر کے اور طعنے دینے والوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے کوئی نہ کوئی چھوٹا موٹا پارٹ ٹائم کام کر کے اپنے ذاتی اخراجات ہی پورے کر لیں تو یہ بے روزگار رہ کر ڈپریشن اور مایوسی کا شکار ہونے سے بہتر ہے کیونکہ under-employment بہر حال unemployment سے تو بہتر ہے۔

جاری ہے۔۔

ظہور احمد دانش

نینو کاسمیٹکس کیا ہے؟

کاسمیٹک انڈسٹری میں ترقی کا ایک جدید ترین پہلو "نینو ٹیکنالوجی" ہے۔ یہ ایک ایسی ٹیکنالوجی ہے جس میں **انتہائی باریک ذرات (نانو پارٹیکلز)** استعمال کیے جاتے ہیں تاکہ جلد میں بہتر جذب، رنگت کی درستگی، اور لمبے وقت تک اثر قائم رہ سکے۔ یہ جدید کریمیں، سن بلاکس، لپ اسٹکس، فاؤنڈیشنز، اور ہیئر پروڈکٹس میں تیزی سے مقبول ہو رہی ہیں۔ لیکن جہاں یہ تکنیکی ترقی سہولت بخش ہے، وہیں اس کے **طبی، اخلاقی، اور شرعی خطرات** پر گفتگو بھی وقت کی ضرورت ہے۔

نینو کاسمیٹکس کیا ہے؟

نینو "ایک سائنسی اکائی ہے، جو ایک میٹر کے ایک اربویں حصے (1 nanometer = 10^{-9} meter) کو کہتے ہیں۔
نینو کاسمیٹکس میں یہ انتہائی چھوٹے ذرات استعمال ہوتے ہیں جیسے:

- **Nano Zinc Oxide** (سن بلاکس میں)
- **Nano Titanium Dioxide** (فیس پاؤڈر، فاؤنڈیشن)
- **Nano-liposomes** (موئسچرائزر میں)
- **Nano-silver & Nano-gold** (اینٹی ایجنگ مصنوعات)

یہ ذرات جلد کی گہرائی میں داخل ہو کر وہاں **سیلولر لیول پر اثر** کرتے ہیں، جس سے جلد نرم، صاف، اور جوان نظر آتی ہے۔

جلد کے ذریعے خون میں جذب

نینو ذرات اتنے چھوٹے ہوتے ہیں کہ وہ جلد کی بیرونی سطح کو عبور کر کے خون میں داخل ہو سکتے ہیں، جہاں وہ:

- **خلیاتی ساخت (DNA)** کو متاثر کر سکتے ہیں
- **سوزش، الرجی، یا کینسر** جیسے مسائل پیدا کر سکتے ہیں
- **معدے، جگر، اور گردے** پر منفی اثر ڈال سکتے ہیں (اگر ہونٹ یا آنکھوں کے ذریعے داخل ہوں)

Cha, D. H., & Myung, S. W. (2021). Nanotoxicology in Cosmetics. Journal of Dermatological Science.

لانگ ٹرم تحقیق کی کمی

ابھی نینو کاسمیٹکس کے طویل المدت استعمال پر سائنسی تحقیق محدود ہے۔ کچھ محققین خبردار کرتے ہیں کہ ": نینو ذرات کا بار بار استعمال مستقبل میں **کینسر، بانجھ پن، اور دماغی اثرات** پیدا کر سکتا ہے۔"

(Kah, M. et al., Environmental Science & Technology, 2018)

اسلامی نکتہ نظر

اگر اجزاء حلال ہوں اور صرف سطحی استعمال ہو:

اگر نینو کاسمیٹک میں استعمال ہونے والے اجزاء **حلال** ہوں اور وہ صرف **جلد کی سطح** تک محدود رہیں، تو ان کا استعمال **جائز ہے۔**

اگر ذرات خون میں شامل ہو جائیں:

اگر نینو ذرات جلد سے گزر کر **خون میں شامل** ہوں، تو ان کا ماخذ (source) **حلال ہونا ضروری** ہے، کیونکہ اب وہ بدن کا حصہ بن رہے ہیں۔

- اگر یہ ذرات **سور، مردار یا حرام جانوروں** سے حاصل کیے گئے ہوں تو ان کا استعمال **حرام ہے۔**

غیر یقینی صورت میں احتیاط لازم

جب ماخذ مشکوک ہو، یا سائنسی طور پر نقصان دہ ثابت ہونے کا خدشہ ہو، تو **فقہی قاعدہ** ہے **":الضرر یزال"** نقصان دہ چیز کو دور کیا جائے۔ **"ما أدى إلى الحرام فهو حرام"** جو چیز حرام کی طرف لے جائے، وہ بھی حرام ہے (اسلام اور سائنس)

عام صارف کے لیے رہنما اصول

1. اجزاء کی فہرست (Ingredients List) غور سے پڑھیں۔
2. "Nano" یا "Micronized" لکھا ہو تو اس کا ماخذ اور ساخت **معلوم** کریں۔
3. جہاں شک ہو، وہاں استعمال سے پرہیز کریں۔
4. "Halal Certified" نینو کاسمیٹک برانڈز کو ترجیح دیں۔
5. ڈاکٹر یا اسکالر سے مشورہ ضرور کریں، خاص طور پر دائمی استعمال کی صورت میں۔

قارئین: خوبصورتی وہی بہتر ہے جو اندر اور باہر دونوں کو پاک رکھے۔ نینو کاسمیٹکس ایک سائنسی کوشش ہے، اگر اسے احتیاط، شعور اور شریعت کی روشنی میں استعمال کیا جائے۔ اور اس میں حلال و حرام کا فرق جاننا بہت ضروری ہے اسی میں دنیا و آخرت کی بھلائی ہے۔ بصورتِ دیگر، یہ وہ خاموش زہر ہے جو چہرے کو نکھار کر جسم اور روح کو بیمار کر سکتا ہے۔ اللہ پاک ہمیں عمل شریعت کے پیمانوں کو جاننے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

طلحہ خضر

قرآن مجید میں زمان و مکان کا تصور

قرآن کریم میں کئی مقامات پر ذکر ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کائنات کی تخلیق ایک تدریجی اور مرحلہ وار عمل تھا۔ یہ چھ دن ہمارے موجودہ دنوں کے برابر ہیں یا نہیں، اس بارے میں علماء کے مختلف آراء ہیں۔

علامتی دن: بعض مفسرین کے مطابق یہاں "دن" کا مطلب صرف ایک مخصوص مدت یا دور ہے۔ یہ دن عام انسانی دنوں کی طرح نہیں بلکہ تخلیق کے مختلف مراحل کو بیان کرنے کے لیے استعمال ہوا ہے۔

حقیقی دن: کچھ مفسرین کا خیال ہے کہ یہ دن واقعی چوبیس گھنٹوں کے دن ہیں، لیکن یہ تصور موجودہ وقت کے اعتبار سے نہیں بلکہ اللہ کے علم اور قدرت کے مطابق ہے۔

قرآن میں "چھ دنوں" کے ذکر کا مقصد یہ بتانا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کو ایک منظم اور منصوبہ بندی کے تحت بنایا، نہ کہ اچانک یا بغیر کسی ترتیب کے۔ مزید تفصیلات کے لیے سورۃ الاعراف (۷:۵۴)، سورۃ ہود (۱۱:۷)، سورۃ الفرقان (۲۵:۵۹) اور دیگر متعلقہ آیات کو دیکھا جا سکتا ہے۔

قرآن کے مطابق اللہ تعالیٰ زمان و مکان سے ماوراء ہے۔ اللہ کی ذات محدود نہیں ہے اور وہ کسی بھی مخلوق کی طرح زمان و مکان کے قوانین کا پابند نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ابدیت اور ازلیت اس بات کی گواہ ہے کہ وہ کسی بھی حد یا قید سے آزاد ہے۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تخلیق کے لیے "چھ دن" کا ذکر کیا، جس کا مقصد انسانی فہم کے مطابق تخلیق کے تدریجی عمل کو بیان کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو "کن" (ہو جا) کہہ کر پیدا کیا، جو اس کی قدرت کی علامت ہے۔ اللہ کی ذات وقت اور مراحل کی پابند نہیں، کیونکہ وہ "کن فیکون" (ہو جا، تو وہ ہو جاتا ہے) کہہ کر چیزوں کو وجود میں لاتا ہے۔

سورہ یٰسین (۳۶:۸۲) میں فرمایا:

"جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اسے صرف یہی کہتا ہے کہ "ہو جا"، اور وہ ہو جاتی ہے۔"

سورہ البقرہ (۲:۱۱۷) میں فرمایا:

"وہ آسمانوں اور زمین کا موجد ہے، اور جب وہ کسی بات کا فیصلہ کرتا ہے تو اسے بس کہتا ہے "ہو جا"، اور وہ ہو جاتی ہے۔"

"چھ دنوں" کا ذکر ایک تمثیلی یا تعلیمی انداز ہے، تاکہ انسان اللہ کی حکمت اور تدریجی تخلیق کو سمجھ سکے۔ یہ انسانی عقل کے لیے ایک آسان فہم طریقہ ہے کہ کائنات کی عظمت اور تخلیق کی پیچیدگی کو سمجھنے کے لیے تدریجی عمل کی مثال دی گئی۔ لیکن اللہ کی قدرت اس سے ماوراء ہے کہ وہ کسی بھی وقت یا مراحل کا محتاج ہو۔

قرآن مجید کے مطابق قیامت کے دن کفار اپنی دنیاوی زندگی کی حقیقت کو جان لیں گے اور احساس کریں گے کہ جو وقت انہوں نے دنیا میں گزارا، وہ بہت مختصر اور بے وقعت تھا۔ وہ اپنی دنیاوی زندگی کو اس قدر قلیل محسوس کریں گے کہ وہ کہیں گے کہ ہم زمین میں ایک دن یا دن کی صرف ایک گھڑی رہے ہیں۔

یہ بات سورہ المومنون (۲۳:۱۱۲-۱۱۴) میں بیان ہوئی ہے:

"اللہ فرمائے گا، تم زمین میں کتنے سال رہے؟ وہ کہیں گے، 'ہم ایک دن یا ایک دن کا کچھ حصہ رہے ہوں گے، پس گننے والوں سے پوچھ لیں۔ اللہ فرمائے گا، تم صرف تھوڑا ہی رہے ہو، کاش تم جانتے۔"

یہ احساس اس لیے ہو گا کیونکہ قیامت کے دن کی ہولناکی اور آخرت کی زندگی کی ہمیشگی کے مقابلے میں دنیا کی زندگی نہایت مختصر اور حقیر لگے گی۔ کفار کو اس بات کا بھی احساس ہو گا کہ انہوں نے اپنی دنیاوی زندگی میں اللہ کی نشانیوں کو جھٹلایا اور آخرت کی تیاری نہیں کی۔ اس لیے وہ اپنی غلطیوں پر نادم ہوں گے، لیکن اس وقت توبہ اور رجوع کا موقع ختم ہو چکا ہو گا۔

قیامت کے دن کفار کا یہ احساس زمان و مکان کی قید سے آزاد ہو جانے کی وجہ سے بھی ہو گا۔ دنیاوی زندگی میں انسان وقت کے ایک خاص دائرے میں محدود ہوتا ہے، جہاں دن، رات، مہینے، اور سال گزرتے ہیں۔ مگر قیامت کے دن اور آخرت کی زندگی میں وقت کی پیمائش کا تصور بالکل مختلف ہو گا۔

جب انسان قیامت کے دن اللہ کی عدالت میں پیش ہو گا، تو وہ دنیاوی وقت کی قید سے آزاد ہو گا۔ اس وقت دنیا کی زندگی کی حقیقت واضح ہو جائے گی، اور اسے ایک مختصر اور عارضی چیز کے طور پر دیکھا جائے گا، جو کہ آخرت کی ابدی زندگی کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہو گی۔

سورہ النازعات (۷۹:۴۶) میں یہ بات بیان ہوئی ہے:

"جس دن وہ اسے دیکھیں گے، ایسا معلوم ہو گا کہ وہ صرف ایک شام یا ایک صبح زمین میں رہے تھے۔"

یہ اس بات کا بھی اشارہ ہے کہ آخرت میں وقت کی حقیقت مختلف ہو گی، اور دنیاوی زندگی کی مدت انہیں بہت مختصر محسوس ہو گی، کیونکہ وہ اب ابدی وقت کے دائرے میں ہوں گے، جہاں وقت کی کوئی محدودیت نہیں ہو گی۔ اس احساس کے پیچھے یہی حکمت ہے کہ وہ دنیا کی حقیقت کو سمجھ کر اپنی کوتاہیوں پر افسوس کریں گے۔

قرآن مجید کے مطابق زمان و مکان بھی اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا حصہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف کائنات، زمین اور آسمان کو پیدا کیا بلکہ وقت اور جگہ کا تصور بھی اللہ کی تخلیق کا حصہ ہے۔ قرآن مجید میں کئی مقامات پر اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ زمان و مکان بھی اللہ کی مخلوق ہیں۔

سورہ التوبہ (۹:۳۶) میں فرمایا گیا:

"بے شک، مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک، اللہ کی کتاب میں بارہ ہیں، جس دن سے اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔"

یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ مہینوں کا نظام، جو وقت کا پیمانہ ہے، اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا حصہ ہے اور اسے اسی وقت مقرر کیا گیا جب آسمانوں اور زمین کی تخلیق ہوئی۔

سورہ یونس (۱۰:۵) میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"وہی ہے جس نے سورج کو چمکتا ہوا بنایا اور چاند کو روشن کیا، اور اس کی منزلیں مقرر کیں تاکہ تم سالوں کی گنتی اور حساب معلوم کرو۔ اللہ نے یہ سب کچھ حق کے ساتھ پیدا کیا ہے۔"

یہ آیت بھی ظاہر کرتی ہے کہ وقت کا نظام، جیسا کہ سال، مہینے، اور دن، اللہ کی تخلیق کا حصہ ہے، اور یہ سب کچھ اس نے انسانوں کی سہولت کے لیے پیدا کیا ہے۔

سورہ الفرقان (۲۵:۲) میں فرمایا گیا:

"وہی ہے جس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور ہر چیز کا اندازہ مقرر کیا۔"

یہ آیت بھی اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ اللہ نے ہر چیز کو پیدا کیا، اور اس میں زمان و مکان بھی شامل ہیں۔

ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ زمان و مکان اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا حصہ ہیں، اور یہ سب کچھ اس کی حکمت اور قدرت کے تحت وجود میں آیا ہے۔

ظہور احمد دانش

موت کے بعد زندگی ۔۔۔سائنس یا وہم؟

دنیا کی ہر قوم، ہر تہذیب، ہر مذہب اور ہر انسان نے کسی نہ کسی شکل میں مرنے کے بعد زندہ ہونے کے تصور پر یقین رکھا ہے۔ لیکن آج کا سائنس زدہ انسان اس سوال پر الجھ رہا ہے": کیا واقعی مرنے کے بعد کوئی دوسری زندگی ہے؟ یا یہ محض مذہبی افسانہ ہے؟"

آیئے اس مسئلے کو دلائل سے حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہمارا سب سے پہلا سورس قرآن مجید ہے آیئے پہلے قرآن پاک سے رجوع کرتے ہیں

كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ، ثُمَّ يُمِيتُكُمْ، ثُمَّ يُحْيِيكُمْ۔۔(البقرة)

کیونکر اللہ کے منکر ہوتے ہو حالانکہ تم مردہ تھے، پھر اس نے تمہیں زندہ کیا، پھر تمہیں مارے گا، پھر زندہ کرے گا۔

یہ واضح آیت ہے، جس میں موت کے بعد زندگی کا ثبوت ملتا ہے۔

"وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَسِيَ خَلْقَهُ قَالَ مَن يُحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ" . . .(سورۃ یٰس–آیت۷۸-۷۹ :)

اور ہمارے لیے ایک کہاوت بنائی اور اپنی پیدائش بھول گیا، بولا ہڈیوں کو کون جِلائے گا جب کہ وہ بوسیدہ ہو گئیں؟): تم فرماؤ: انہیں وہی جِلائے گا جس نے پہلی بار انہیں بنایا، اور وہ ہر پیدائش کا جاننے والا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

أَيَحْسَبُ الْإِنسَانُ أَلَّن نَّجْمَعَ عِظَامَهُ، بَلَىٰ قَادِرِينَ عَلَىٰ أَن نُّسَوِّيَ بَنَانَهُ" (القیامہ–آیت۳-۴)

کیا آدمی سمجھتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں ہرگز جمع نہ کریں گے؟ کیوں نہیں، ہم تو اس کی انگلیوں کے پور تک درست کر دینے والے ہیں۔

اب آیئے ہم صادق و امین آقا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے فرامین سے اس قضیے کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

قال رسول الله ﷺ" :إِنَّمَا القَبْرُ رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الجَنَّةِ، أَوْ حُفْرَةٌ مِنْ حُفَرِ النَّارِ

"(سنن الترمذی، کتاب صفة القیامة حدیث نمبر۲۴۶۰ :)

ترجمہ: قبر یا تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا۔

قارئین: آیئے ایک اور حدیث بطور دلیل پیش کرتے ہیں تا کہ آپ کو بات سمجھنے میں آسانی ہو

" قال رسولُ اللهِ ﷺ :إِذَا مَاتَ الإِنسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ، إِلَّا مِنْ ثَلاثَةٍ: صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ"

مسلم، حدیث نمبر: ۱۶۳۱

نبی کریم ﷺ نے فرمایا": جب انسان مر جاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے، سوائے تین چیزوں کے (1): صدقہ جاریہ (2) ایسا علم جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں (3) نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرے۔

آیئے اب ہم اس مفروضے کو عقلی دلائل (Rational Logic) سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ دنیا کے لاکھوں لوگ جو "کلینکلی مردہ" قرار دیے گئے، وہ ہوش میں آنے کے بعد بتاتے ہیں: وہ ایک روشنی کی طرف بڑھ رہے تھے۔ انہوں نے اپنی لاش کو اوپر سے دیکھا۔ انہوں نے ایک review process (اعمال کی جھلک) دیکھی ("Life After Life")

قارئین۔ ایک بات بتا تا چلوں کہ ان تجربات کا ذکر تقریباً ہر مذہب اور قوم کے افراد کرتے ہیں۔ کوانٹم فزکس ایک وسیع ٹاپک اور زبردست مضمون ہے۔ اگر ہم اس حوالے سے بھی موت اور پھر موت کے بعد زندگی کے مفروضے کو حل کرنے کی کوشش کریں تو بھی ہم بھی کچھ ایسے حقائق سامنے آتے ہیں۔ کائنات میں Multiple dimensions کی بات سائنس مان چکی ہے۔ consciousness کو brain کے علاوہ "non-local" phenomenon مانا جاتا ہے یعنی روحانی وجود کی ممکنہ سائنس بھی تسلیم کی جا چکی ہے۔

قارئین:

اب ذرا نفسیاتی اعتبار سے بھی غور کر لیتے ہیں۔ موت کی یاد انسان کو نیکی کی طرف مائل کرتی ہے۔ باخلاقی بناتی ہے، انسانیت پر یقین دلاتی ہے۔ موت کے بعد زندگی کا تصور انسان کے شعور سے نہیں، لاشعور سے آتا ہے۔

آیئے اب ہم آپکو مثالوں سے سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ آپ نے مشاہدہ کیا ہو گا کہ بیج مٹی میں "دفن" ہوتا ہے ← فنا ہوتا ہے ← پھر ایک نئی زندگی بن کر نکلتا ہے۔ موت بھی ایسا ہی ہے — دفن کے بعد نئی زندگی۔

طلحہ خضر

کیا سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا بتوں کو توڑنا توہینِ مذہب تھا؟

یہ اعتراض کہ "سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا بتوں کو توڑنا توہینِ مذہب تھا" عموماً ملحدین کی طرف سے ہے، اور اس کا مقصد عام طور پر اسلامی عقائد یا دینی شخصیات کو تنقید کا نشانہ بنانا ہوتا ہے۔ اس اعتراض کا تفصیلی جواب قرآن مجید کی روشنی میں دیا جا رہا ہے تاکہ حقیقت واضح ہو جائے۔

- **سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے پہلے نرم انداز سے تبلیغ کی تھی**

قرآن واضح طور پر بتاتا ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے سب سے پہلے دعوتی اور مکالماتی طریقہ اختیار کیا:

جب اس نے اپنے باپ اور قوم سے کہا: یہ کیا مورتیاں ہیں جن کے گرد تم بیٹھے رہتے ہو؟ (الانبیاء: ۵۲)

تف ہے تم پر اور تمہارے اِن معبُودوں پر جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر پوجا کر رہے ہو کیا تم کچھ بھی عقل نہیں رکھتے؟ (الانبیاء: ۶۷)

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے پہلے زبان، دلائل اور حکمت سے قوم کو دعوت دی، مگر جب وہ مسلسل انکار کرتے رہے، تب جا کر انہوں نے عملی احتجاج کیا۔

- ان کا عمل قوم پر اتمامِ حجت اور انہیں عذاب سے بچانے کی کوشش تھی

انبیاء کا مشن ہوتا ہے کہ وہ اپنی قوم پر اتمامِ حجت کریں تاکہ کل وہ قیامت کے دن حجت نہ بنا سکیں کہ "ہمیں تو کسی نے حق کی پہچان نہ کروائی"۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے جو عمل کیا وہ صرف "بت توڑنا" نہیں بلکہ ایک آخری حجت تھی تاکہ قوم سوچنے پر مجبور ہو:

چنانچہ اس نے اُن کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور صرف ان کے بڑے کو چھوڑ دیا تاکہ شاید وہ اس کی طرف رجوع کریں۔ (الانبیاء: ۵۸)

یہاں "لعلهم يرجعون" استعمال ہوا ہے یعنی "شاید وہ پلٹ آئیں" — یہ ایک دعوتی امید ہے، نہ کہ توہین۔

- قوم نے خود سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو نہیں بلکہ اپنے آپ کو ہی ظالم قرار دیا

جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے دلیل دی کہ اگر یہ بت سچ مچ خدا ہوتے تو اپنے آپ کو بچا لیتے، تب قوم کا ردِ عمل یہ تھا:

یہ سُن کر وہ لوگ اپنے ضمیر کی طرف پلٹے اور (اپنے دلوں میں) کہنے لگے "واقعی تم خود ہی ظالم ہو"۔ (الانبیاء: ۶۴)

قوم نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے فعل کو توہینِ مذہب نہیں کہا بلکہ بتوں کی پوجا کو ظلم کہا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ بھی لمحہ بھر میں سچائی کو جان گئے تھے۔

- ملحدین کا اعتراض خود ان کے اصولوں کے خلاف ہے

یہ اعتراض اگر ملحدین کی طرف سے ہے، تو ان سے سوال بنتا ہے کہ "جب تم خود کسی مذہب کو نہیں مانتے، تو بتوں کے ٹوٹنے کو مذہبی توہین کیسے سمجھتے ہو؟ کیونکہ ملحدین کے نزدیک نہ بت محترم ہیں، نہ ان کی عبادت۔ تو پھر یہ جذباتی اعتراض صرف ایک منافقت یا اسلام دشمنی ہی قرار دی جاسکتی ہے۔ اب ذرا قوم کا ردِ عمل بھی ملاحظہ کریں۔

انہوں نے کہا "جلاڈالو اس کو اور حمایت کرو اپنے خداؤں کی اگر تمہیں کچھ کرنا ہے"۔ (الانبیاء:٦٨)

لہٰذا اگر اس فعل کو توہینِ مذہب قرار دیا جائے تو اس کے نتیجے میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو توڑے ہوئے بتوں کی قیمت ادا کرنے کی بجائے، زندہ آگ میں جلانے کا فیصلہ کرنا کتنا سنگین جرم ہے۔ قوم کے اس رویہ پر ملحدین خاموش کیوں ہو جاتے ہیں؟ بت تو بے جان تھے اور ایک بے جان چیز کے لیے کسی جاندار انسان کو جلانا کہاں کا انصاف ہے؟

نتیجہ:

- سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا عمل کسی عام انسان کا جذباتی ردِ عمل کی بجائے نبوی فریضہ تھا۔
- انہوں نے بت پرستی کے نظام کو عقلی بنیادوں پر چیلنج کیا، اور اس کی کمزوری کو ظاہر کیا۔
- یہ عمل خالص اصلاحی اور دعوتی حکمت عملی کے تحت تھا، نہ کہ نفرت یا مذاہب کی توہین کے جذبے سے۔
- قوم نے بھی اس پر شرمندگی کا اظہار کیا، نہ کہ مذہبی توہین کا شور مچایا۔
- ملحدین کا یہ اعتراض دراصل اسلام دشمنی پر مبنی ایک سطحی اور غیر منطقی اعتراض ہے، جو نہ قرآن کے مطابق ہے، نہ عقل کے، اور نہ اخلاق کے۔

وحید الدین خان

تربیتِ اولاد (پارٹ-6)

اولاد سے تربیت

ایک صاحب سگرٹ کے عادی تھے اور روزانہ تین پیکٹ پی جاتے تھے۔ ''سگریٹ پینا صحت کے لئے مضر ہے''، ''سگرٹ پینا اپنے کمائے ہوئے پیسہ کو آگ لگانا ہے''۔ اس قسم کی کوئی بھی دلیل ان کو سگرٹ چھوڑنے پر آمادہ نہیں کر سکتی تھی۔ حتی کہ وہ اپنے دستوں کو بھی اصرار کر کے پلاتے۔ چائے پینے کے بعد وہ سگرٹ کا کش لینے کو اتنا ضروری سمجھتے تھے کہ وہ اپنے دوستوں سے کہتے ''جو آدمی چائے پی کر سگرٹ نہ پئے اس کو چاہئے پینے کا حق نہیں''۔

مگر ایک چھوٹے سے واقعہ نے ان کی محبوب سگرٹ ان سے چھڑا دی۔ سگرٹ کے ٹکڑے جو وہ پینے کے بعد پھینکتے ان کو ان کا تین سالہ بچہ فاروق قیصر اٹھا لیتا اور منھ میں لگا کر پیتا۔ ملک عبد الشکور صاحب اس کو منع کرتے مگر وہ نہ مانتا۔ ایک روز ایسا ہوا کہ بچہ کی ماں نے سختی سے بچہ کو منع کیا تو بچہ نے کہا: ''ابا بھی تو پیتے ہیں'' ملک عبد الشکور صاحب نے بچہ کی زبان سے یہ سنا تو ان کو سخت جھٹکا لگا۔ اگرچہ وہ دوستوں کے سامنے اپنی سگرٹ نوشی پر قصیدہ پڑھتے تھے، مگر ان کا دل خوب جانتا تھا کہ سگرٹ پینا ایک بری عادت ہے جس کا انجام نہ صرف صحت اور پیسہ کی بربادی ہے بلکہ وہ اخلاق کو بھی بگاڑنے والا ہے۔ جب کوئی شخص ان سے سگرٹ چھوڑنے کو کہتا تو وہ اس کے خلاف لفظی دلائل کا انبار لگا دیتے۔ مگر ان دلائل کی حقیقت اس کے سوا اور کچھ نہ تھی کہ وہ اپنے ایک ''نشہ'' کو چھوڑنے کے لئے تیار نہ تھے، اور اس کے لئے بھی تیار نہ تھے کہ اپنی غلطی کو مان لیں۔ اس لئے وہ لفظی تاویلات کے سہارے اپنے کو حق بجانب ثابت کرتے تھے۔ وہ اس کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے تھے کہ سگرٹ کے خلاف کسی دلیل پر سنجیدگی کے ساتھ غور کریں۔

مگر جب سگرٹ کا سوال بچہ کی زندگی کا سوال بن گیا تو اچانک وہ سنجیدہ ہو گئے۔ ان کے ذہن سے وہ تمام پردے ہٹ گئے جنھوں نے ایک سادہ سی حقیقت کو سمجھنا ان کے لئے ناممکن بنا دیا تھا۔ جو شخص مضبوط دلائل کے آگے ہتھیار ڈالنے پر تیار نہ ہوتا تھا وہ ایک بچہ کے کمزور الفاظ کے آگے بالکل ڈھ گیا۔ ''اگر میں خود سگرٹ پیتا رہوں تو میں اپنے بچہ کو سگرٹ پینے سے باز نہیں رکھ سکتا''۔ انھوں نے سوچا، بچہ کا یہ کہنا کہ ''ابا بھی تو پیتے ہیں'' ان کے لئے ایک ایسا ہتھوڑا بن گیا جس کی ضرب کو برداشت کرنے کی طاقت ان کے اندر نہ تھی۔ بچہ کی زبان سے یہ الفاظ سن کر ان کو سخت جھٹکا لگا۔ انھوں نے ایک لمحہ کے اندر وہ فیصلہ کر لیا جس کے لیے ان کے دوستوں کو مہینوں اور سالوں کی کوشش بھی ناکافی ثابت ہوئی تھی۔ یہ رمضان کا مہینہ تھا۔ انھوں نے طے کر لیا کہ وہ سگرٹ پینا بالکل چھوڑ دیں گے۔ انھوں نے نہ صرف اگلے دن سگرٹ نہیں پی بلکہ مستقل طور پر سگرٹ نوشی ترک کر دی۔

ان کو سگرٹ سے محبت تھی۔ مگر بیٹے سے اس سے زیادہ محبت تھی۔ اس نے بیٹے کی خاطر سگرٹ کو چھوڑ دیا۔ اسی طرح ہر آدمی کو اپنے مفادات اور مصالح سے محبت ہوتی ہے۔ اسلام یہ ہے کہ خدا کی محبت اتنی بڑھ جائے کہ اس کی خاطر آدمی دنیا کے مفادات اور مصالح کو قربان کر دے۔

امریکا میں مقیم ایک مسلمان سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے کہا کہ اپنے بچوں کے بارے میں ہم کو یہ فکر رہتی ہے کہ ہمارے بعد دینی اعتبار سے اِن بچوں کا کیا حال ہوگا۔ انھوں نے بتایا کہ ہمارے بچے سیکولر اسکولوں میں پڑھتے ہیں۔ البتہ ہم اپنے گھر پر اسی کے ساتھ بچوں کی دینی تربیت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ امریکا میں اس کو ہوم اسکولنگ (home schooling) کہا جاتا ہے۔ میں نے کہا کہ جب آپ نے امریکا میں رہنے کا فیصلہ کیا تو آپ کو یہ جاننا چاہیے کہ آپ یہاں کے کلچر سے اپنے بچوں کو محفوظ نہیں رکھ سکتے۔ اِس کلچرل سیلاب کا مقابلہ ہوم اسکولنگ کے ذریعہ کرنا ایسا ہی ہے جیسے کاغذ کی دیوار سے سیلاب کا مقابلہ کرنا۔ تجربہ بتاتا ہے کہ غالباً کوئی ایک بچہ بھی ایسا نہیں جس کی مثال کو لے کر یہ کہا جاسکے کہ ہوم اسکولنگ کا طریقہ اپنے مطلوب نشانے کو حاصل کرنے میں کامیاب رہا ہے۔ ایسی حالت میں صحیح طریقہ یہ ہے کہ ایک طرف گھر کے ماحول کو بدلا جائے، اور دوسری طرف بچوں کے اندر دعوتی ذہن پیدا کیا جائے۔ گھر میں سادگی (simplicity) اور بچوں کے اندر دعوتی ذہن پیدا کیے بغیر اِس کلچرل سیلاب کا مقابلہ کرنا ممکن نہیں ہے۔

محرومی ایک نعمت

مئی 2000ء میں میں نے بہار کا سفر کیا۔ اس سفر میں مجھے بتیا (بہار) کا یتیم خانہ دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ یہ یتیم خانہ 1928ء سے قائم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی بچہ یا بچی کا یتیم ہونا کوئی برائی نہیں۔ یہ ایک نعمت ہے جو فطرت کی طرف سے کسی کو دی جاتی ہے۔ اگر یتیم ہونا نعمت نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ پیغمبرِ اسلام کے لیے یتیمی کا انتخاب نہ فرماتے۔ یتیم ہونا کسی بچہ یا بچی کے لیے قدرت کی طرف سے ایک خوشخبری ہے۔ اس بات کی خوشخبری کہ تم کو زندگی کے سفر کے لیے وہ کورس عطا کیا گیا ہے جو اس انسان کو عطا ہوا جس کے بارے میں نہ صرف مسلمان بلکہ غیر مسلم حضرات بھی اس بات کی گواہی دے رہے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تاریخ بشری کے سب سے زیادہ کامیاب انسان تھے۔

یتیم بچہ یا بچی کو پیدا ہونے کے بعد دنیا میں اپنے فطری امکان کو بروئے کار لانے کے لیے اور کیا چیز ملنی چاہیے اس کا اشارہ اس قرآنی آیت میں ملتا ہے: أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوَى (93:6)۔ یعنی، کیا اللہ نے تم کو یتیم نہیں پایا، پھر اس نے تم کو ٹھکانا دیا۔ اپنے آغازِ حیات میں اپنی زندگی کی تعمیر کے لیے ایک مأویٰ۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ یتیم خانہ اور اسی طرح تمام یتیم خانے اسی آیت کی عملی تفسیر ہیں۔ وہ یتیموں کو مأویٰ فراہم کرتے ہیں۔ اس طرح کے کام کو میں اپنی زبان میں منصوبۂ خداوندی سمجھتا ہوں۔

ایک صاحب نے اپنا قصہ بتاتے ہوئے کہا کہ میں بچپن میں یتیم ہو گیا تھا۔ میرے رشتہ داروں نے مجھے یتیم خانہ میں داخل کر دیا۔ میرے ساتھ دو یتیم بچے اور تھے۔ ہم تینوں نے یتیم بچوں کی حیثیت سے یتیم خانہ میں پرورش پائی۔ اس وقت بظاہر ہمارا کوئی مستقبل نہ تھا۔ مگر آج ہم تینوں اللہ کے فضل سے کامیاب زندگی گزار رہے ہیں۔ میں نے کہا کہ یہ آپ کے اسی

یتیم ہونے کا نتیجہ ہے۔ یتیمی کی حالت بہترین حالت ہے۔ یتیمی آدمی کے اندر خود شناسی پیدا کرتی ہے۔ وہ آدمی کے اندر خود کفیل بننے کا جذبہ ابھارتی ہے۔ یتیم آدمی سمجھتا ہے کہ میرا کوئی سہارا نہیں، اس لیے مجھ کو خود ہی سارا عمل کرنا ہے۔ اس طرح وہ دوسروں سے زیادہ محنت کرنے لگتا ہے۔ یتیمی کے حالات آدمی کو ہیرو بنا دیتے ہیں۔

ڈفرنٹلی ایبلڈ پرسن

اکتوبر 2000ء میں مَیں نے بھوپال کا سفر کیا۔ اس دوران میں نے جو چیزیں دیکھیں، ان میں سے ایک رفاہی ادارہ بھی تھا، جو ڈفرنٹلی ایبلڈ بچوں کے لیے قائم کیا گیا تھا۔ اس کا نام شبھم وکلانگ سیوا سمیتی ہے۔ یہ ادارہ 1980ء میں قائم ہوا ہے۔ میں نے ان بچوں کو دیکھا جن کی تعداد 63 ہے ان میں ہندو اور مسلمان دونوں بچے شامل ہیں۔ میں نے کئی بچوں سے بات کی دو بچوں سے ہونے والی بات کو یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

سنتوش چورسیہ (عمر 14 سال) سے میں نے پوچھا کہ آپ یہاں کیا کرتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ پڑھتے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ آپ کیا سوچتے ہیں۔ انھوں نے جواب دیا کہ پڑھ لکھ کر میں اپنے پیروں پر کھڑا ہوں گا۔ ایک بچہ جس نے اپنا نام شنکر شرما (عمر 12 سال) بتایا۔ وہ بھی اپنے دونوں پیروں سے معذور تھا۔ میں نے پوچھا کہ آپ پڑھنے کے بعد کیا کریں گے۔ اس نے جواب دیا میں پڑھ کر اپنے پیروں پر کھڑا ہونا چاہتا ہوں۔ یہ بات وہ بچے کہہ رہے تھے جو اپنے دونوں پیروں سے معذور تھے اور جسمانی طور پر کھڑے نہیں ہو سکتے تھے۔ میں نے سوچا کہ علم میں کیسی عجیب طاقت ہے۔ علم آدمی کو اس حد تک باشعور بناتا ہے کہ وہ جسمانی طور پر کمزور ہوتے ہوئے بھی ذہنی طور پر اتنا طاقتور ہو جائے کہ اس کی جسمانی کمزوری ترقی کی راہ میں حائل نہ ہو سکے۔

مزید یہ کہ موجودہ زمانے میں یہ بات ریسرچ سے ثابت ہو گئی ہے کہ کوئی شخص مطلق معنوں میں قوی یا ضعیف نہیں ہوتا۔ چنانچہ پہلے معذور کے لیے ڈس ایبلڈ (disabled) کا لفظ بولا جاتا تھا۔ مگر اب یہ لفظ متروک ہو گیا ہے۔ اب ایسے افراد کو ڈفرینٹلی ایبلڈ (differently abled) کہا جاتا ہے۔ یعنی ایک اعتبار سے معذور اور دوسرے اعتبار سے طاقت ور۔

استحقاق پیدا کیجیے

ایم اے خان ہائر سکنڈری کے امتحان میں اچھے نمبر سے پاس ہوئے تھے۔ مگر کسی وجہ سے وہ بروقت آگے داخلہ نہ لے سکے۔ یہاں تک کہ اکتوبر کا مہینہ آگیا۔ اب بظاہر کہیں داخلہ ملنے کی صورت نہ تھی۔ تاہم تعلیم کا شوق ان کو ہندو سائنس کالج کے پرنسپل کے دفتر میں لے گیا۔

"جناب، میں بی ایس سی میں داخلہ لینا چاہتا ہوں" انھوں نے ہندو پرنسپل سے کہا۔

"یہ اکتوبر کا مہینہ ہے، داخلے بند ہو چکے ہیں۔ اب کیسے تمھارا داخلہ ہو گا"

"بڑی مہربانی ہو گی اگر آپ داخلہ لے لیں۔ ورنہ میرا پورا سال بیکار ہو جائے گا"

"ہمارے یہاں تمام سیٹیں بھر چکی ہیں۔ اب مزید داخلہ کی کوئی گنجائش نہیں"

پرنسپل اتنی بے رخی برت رہا تھا کہ بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ ہرگز داخلہ نہیں لے گا اور اگلا جملہ طالب علم کو شاید یہ سننا پڑے گا کہ "کمرہ سے نکل جاؤ" مگر طالب علم کے اصرار پر اس نے بدل دلی سے پوچھا "تمھارے مارکس کتنے ہیں"۔ پرنسپل کا خیال تھا کہ اس کے نمبر یقیناً بہت کم ہوں گے۔ اسی لیے اس کو کہیں داخلہ نہیں ملا۔ چنانچہ طالب علم جب اپنے خراب نتیجہ کو بتائے گا تو اس کی درخواست کو رد کرنے کے لیے معقول وجہ ہاتھ آجائے گی۔ مگر طالب علم کا جواب اس کی امید کے خلاف تھا۔ اس نے کہا جناب 85 فی صد:

"Sir, eighty five per cent."

اس جملہ نے پرنسپل پر جادو کا کام کیا۔ فوراً اس کا موڈ بدل گیا۔ اس نے کہا "بیٹھو بیٹھو" اس کے بعد اس نے طالب علم کے کاغذات دیکھے، اور جب کاغذات نے تصدیق کر دی کہ واقعی وہ پچاسی فی صد نمبروں سے پاس ہوا ہے، تو اسی وقت اس نے پچھلی تاریخ میں درخواست لکھوائی۔ اس نے ایم اے خان کو نہ صرف تاخیر کے باوجود اپنے کالج میں داخل کر لیا بلکہ کوشش کر کے ان کو ایک وظیفہ بھی دلوایا۔

یہی طالب علم اگر اس حالت میں پرنسپل کے پاس جاتا کہ وہ تھرڈ کلاس پاس ہوتا اور پرنسپل اس کا داخلہ نہ لیتا تو طالب علم کا تاثر کیا ہوتا۔ وہ اس طرح لوٹتا کہ اس کے دل میں نفرت اور شکایت بھری ہوتی۔ وہ لوگوں سے کہتا کہ یہ سب تعصب کی وجہ سے ہوا ہے۔ ورنہ میرا داخلہ ضرور ہونا چاہیے تھا۔ داخلہ نہ ملنے کی وجہ اس کا خراب نتیجہ ہوتا مگر اس کا ذمہ دار وہ ہندو کالج کو قرار دیتا۔ ماحول کا رد عمل اکثر خود ہماری حالت کا نتیجہ ہوتا ہے۔ مگر ہم اس کو ماحول کی طرف منسوب کر دیتے ہیں تاکہ اپنے آپ کو بری الذمہ ثابت کر سکیں۔

اگر آدمی نے خود اپنی طرف سے کوتاہی نہ کی ہو، اگر زندگی میں وہ ان تیاروں کے ساتھ داخل ہوا ہو جو زمانہ نے مقرر کی ہیں تو دنیا اس کو جگہ دینے پر مجبور ہو گی۔ وہ ہر ماحول میں اپنا مقام پیدا کر لے گا، وہ ہر بازار سے اپنی پوری قیمت وصول کرے گا۔ مزید یہ کہ ایسی حالت میں اس کے اندر اعلی اخلاقیات کی پرورش ہو گی۔ وہ اپنے تجربات سے جرأت، اعتماد، عالی حوصلگی، شرافت، دوسروں کا عتراف، حقیقت پسندی، ہر ایک سے صحیح انسانی تعلق کا سبق سیکھے گا۔ وہ شکایت کی نفسیات سے بلند ہو کر سوچے گا۔ ماحول اس کو تسلیم کرے گا۔ اس لیے وہ خود بھی ماحول کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو گا۔

اس کے برعکس اگر اس نے اپنے کو اہل ثابت کرنے میں کوتاہی کی ہو۔ اگر وہ وقت کے معیار پر پورا نہ اترتا ہو۔ اگر وہ کم تر لیاقت کے ساتھ زندگی کے میدان میں داخل ہوا ہو تو لازماً وہ دنیا کے اندر اپنی جگہ بنانے میں ناکام رہے گا۔ اور اس کے نتیجہ میں اس کے اندر جو اخلاقیات پیدا ہوں گی، وہ بلا شبہ پست اخلاقیات ہوں گی۔ وہ شکایت، جھنجلاہٹ، غصہ، حتی کہ مجرمانہ ذہنیت کا شکار ہو کر رہ جائے گا۔ جب آدمی ناکام ہوتا ہے تو اس کے اندر غلط قسم کی نفسیات ابھرتی ہیں۔ اگرچہ آدمی کی ناکامی کی وجہ ہمیشہ اپنی کمزوری ہوتی ہے۔ مگر ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو قصوروار ٹھہرائے۔ وہ ہمیشہ اپنی ناکامیوں کے لئے دوسروں کو مجرم ٹھہراتا ہے۔ وہ صورت حال کا حقیقت پسندانہ تجزیہ کرنے سے قاصر رہتا ہے۔ کمتر تیاری آدمی کو

بیک وقت دو قسم کے نقصانات کا تحفہ دیتی ہے — اپنے لیے بے جا طور پر ناکامی اور دوسروں کے بارے میں بے جا طور پر شکایت۔

پتھر ہر ایک کے لیے سخت ہے۔ البتہ وہ اس آدمی کے لیے نرم ہو جاتا ہے جو اس کو توڑنے کا اوزار رکھتا ہو۔ یہی صورت ہر معاملہ میں پیش آتی ہے۔ اگر آپ لیاقت اور اہلیت کے ساتھ زندگی کے میدان میں داخل ہوئے ہوں تو آپ اپنی واقعی حیثیت سے بھی زیادہ حق اپنے لئے وصول کر سکتے ہیں۔ ''وقت'' گزرنے کے بعد بھی ایک اجنبی کالج میں آپ کا داخلہ ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر لیاقت اور اہلیت کے بغیر آپ نے زندگی کے میدان میں قدم رکھا ہے تو آپ کو اپنا واقعی حق بھی نہیں مل سکتا۔

گیس نیچے نہیں سماتی تو اوپر اٹھ کر اپنے لیے جگہ حاصل کرتی ہے۔ پانی کو اونچائی آگے بڑھنے نہیں دیتی تو وہ نشیب کی طرف سے اپنا راستہ بنالیتا ہے۔ درخت سطح کے اوپر قائم نہیں ہو سکتا تو وہ زمین پھاڑ کر اس سے اپنے لیے زندگی کا حق وصول کرلیتا ہے۔ یہ طریقہ جو غیر انسانی دنیا میں خدا نے اپنے براہِ راست انتظام کے تحت قائم کر رکھا ہے وہی انسان کو بھی اپنے حالات کے اعتبار سے اختیار کرنا ہے۔

ہر آدمی جو دنیا میں اپنے آپ کو کامیاب دیکھنا چاہتا ہو اس کو سب سے پہلے اپنے اندر کامیابی کا استحقاق پیدا کرنا چاہیے۔ اس کو چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو جانے اور پھر اپنے حالات کو سمجھے۔ اپنی قوتوں کو صحیح ڈھنگ سے منظّم کرے۔ جب وہ ماحول کے اندر داخل ہو تو اس طرح داخل ہو کہ اس کے مقابلہ میں اپنی اہلیت ثابت کرنے کے لیے وہ اپنے آپ کو پوری طرح مسلح کر چکا ہو۔ اس نے حالات سے اپنی اہمیت منوانے کے لیے ضروری سامان کر لیا ہو۔ اگر یہ سب ہو جائے تو اس کے بعد آپ کے عمل کا جو دوسرا لازمی نتیجہ سامنے آئے گا وہ وہی ہو گا جس کا نام ہماری زبان میں کامیابی ہے۔

کام کی تلاش

14 دسمبر 2004ء کا واقعہ ہے۔ ایک مسلم نوجوان مجھ سے ملنے کے لیے آئے۔ اُنہوں نے اپنا نام محمد عیسیٰ بتایا۔ اُنہوں نے کہا کہ میں 1998ء سے بے کار ہوں، اور کام کی تلاش میں دلی آیا ہوں۔ اُنہوں نے اپنے کچھ حالات بتائے جس سے اندازہ ہوا کہ انہیں صحیح مشورہ دینے والا کوئی شخص نہیں ملا۔ اُن کے ماں باپ نے بھی غالباً لاڈ پیار کے سوا کوئی ایسی بات نہیں بتائی، جو ان کی زندگی کی تعمیر کے لیے مفید ہو۔

میں نے کہا کہ میں آپ کو کوئی کام نہیں دے سکتا۔ البتہ یہاں آپ کو زندگی کی ایک حقیقت بتا سکتا ہوں، جو دنیا میں کام پانے کے لیے ضروری ہے۔ وہ حقیقت یہ ہے کہ دنیا کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں کہ آپ بے کار ہیں۔ دنیا کو واحد دلچسپی یہ ہے کہ آپ کے اندر کوئی ایسی صلاحیت ہے، جو دنیا کے لیے کارآمد ہو۔ آپ کو اگر کام پانا ہے تو اپنے آپ کو کارآمد بنائیے۔ اس کے بعد کام خود آپ کو ڈھونڈھے گا، نہ کہ آپ کام کو ڈھونڈھیں۔

حقیقت یہ ہے کہ موجودہ دنیا کے بنانے والے نے اس کو انٹرسٹ کی بنیاد پر بنایا ہے۔ ہر آدمی کا اپنا ایک انٹرسٹ ہے، اور اپنے اس انٹرسٹ کے لیے وہ دوڑ رہا ہے۔ ایسی دنیا میں کامیابی کی صورت صرف ایک ہے، وہ یہ کہ آپ یہ ثابت کر سکیں کہ آپ دنیا کے انٹرسٹ کو پورا کر سکتے ہیں۔ دنیا کے کام آیئے، اور دنیا آپ کو کام دینے پر مجبور ہو جائے گی۔

کام کی تلاش کا ذہن آدمی کے اندر مایوسی پیدا کرتا ہے، اور اپنے آپ کو کارآمد بنانے کا ذہن آدمی کے اندر یقین اور حوصلہ پیدا کرتا ہے۔ آدمی کو چاہیے کہ وہ دوسروں سے امید نہ رکھے۔ وہ اپنے کام کو خود اپنے اندر تلاش کرے۔ وہ اپنی صلاحیت کو دریافت کرے، اور اپنی اس صلاحیت کو ترقی دے کر اپنے آپ کو سماج کے لیے کارآمد بنائے۔ وہ اتنی تیاری کرے کہ وہ دوسروں کی ضرورت بن جائے۔ دنیا میں کامیابی کا راز یہی ہے۔

جاری ہے۔۔

محمد مبشر نذیر

سلسلۂ سوال و جواب

علوم القرآن کے متعلق سوالات

سوال: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، میرا علوم القرآن کے متعلق ایک سوال ہے کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بتوں کو توڑنا توہینِ مذہب میں آتا ہے؟ قرآن مجید کی روشنی میں جواب دیں۔

جواب: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ بیٹا، توہین مذہب کا معاملہ تو ہم لوگوں کے لیے ہے کہ ہم نہیں کر سکتے تاکہ اللہ تعالی کے ساتھ بدتمیزی نہ کر بیٹھیں۔ جب اللہ تعالی کسی رسول کو بھیجتے تھے تو اللہ تعالی کے نمائندے کے طور پر ایکشن کر دیتے تھے جس کا حکم انہیں دیا جاتا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام نے اللہ تعالی کے حکم پر مجسموں کو توڑنے کا حکم دیا تھا۔ آپ کی قوم کا خیال تھا کہ یہ بت تو انہیں فائدہ دلاتے ہیں کیونکہ وہ خدا کی علامت کے طور پر ہیں۔ اب انہیں فائنل ایویڈنس کے طور پر توڑا تاکہ وہ لاجیکل سوچ لیں کہ یہ سچ مچ خدا نہیں ہیں ورنہ خدا اپنے مجسمے کو بچا لیتے۔

یہ فائنل ایویڈینس کا معاملہ حضرت موسی علیہ الصلوۃ والسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی کر دیا۔ جب اتنے ثبوت آ گئے تو انسان کو نارمل طریقے سے معلوم ہو جانا چاہیے کہ یہ مجسمہ خدا نہیں ہے۔ پھر بھی نہ مانے تو فائنل سزا آ جاتی ہے جسے اتمام حجت کہا جاتا ہے۔

حضرت نوح، ھود، صالح، ابراہیم، لوط اور شعیب علیہم الصلوۃ والسلام نے جب کنفرم ایویڈنس کر کے دکھا دیے تو پھر ان کی اقوام کو فرشتوں کے ذریعے موت کی سزا دے دی۔ حضرت موسی اور محمد رسول اللہ علیہما الصلوۃ والسلام کی اقوام کو انہی کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں میں سزا دے دی۔ اتمام حجت کے ذریعے ایویڈنس اس طرح سامنے آ جاتا ہے کہ انسان لاجیکل طریقے سے کبھی انکار کر ہی نہیں سکتا ہے۔ پھر بھی انکار کرے تو پھر عدالت کنفرم کر لیتی ہے کہ یہ مجرم ہے۔

فقہ کا موضوع اور اس کے دائرہ کار کے متعلق سوالات

سوال: سراج کے زمانے میں علماء اتنا محنت کر کے کیا کوئی نئی فقہ مرتب کر سکتے ہیں؟

جواب: جہاں تک دینی احکامات قرآن و سنت میں موجود ہیں تو اس میں کوئی نیا فقہ جائز نہیں ہے، یہ بدعت ہے۔ لیکن جہاں قرآن و سنت میں کوئی احکامات نہیں ہیں بلکہ پرانے فقہاء نے محض اپنی ریسرچ سے کوئی قانون سازی کی ہے، تو اس کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے اس پر ہر دور میں نئے فقہاء کو ریسرچ کرتے رہنا چاہیے۔ ظاہر ہے کہ ہر فقیہ خدا اور نبی نہیں ہے اور اس سے غلطی ہو سکتی ہے، اس لیے اسے ری چیک کرتے رہنا چاہیے۔ اسی طرح دور جدید میں جو نئے معاملات پیدا ہوئے ہیں تو اس میں

اجتہاد کرنا چاہیے۔ پہلے فقہاء کو حکومتی اتھارٹی ہوتی تھی اور وہ قانون سازی کر لیتے تھے۔ اب ان کی اتھارٹی نہیں ہے بلکہ وہ صرف مشورہ ہی دے سکتے ہیں۔ اس لیے وہ اپنے ملک میں مشورہ ضرور دیں اور اپنے ملک کی پارلیمنٹ میں قانون سازی لانے کی کوشش کریں۔ رہا ذاتی معاملات تو اس میں صرف مشورہ ہی کرنا چاہیے اور اس میں کسی قانون سازی کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی حکومت یہ کر سکتی ہے۔

سوال: سر آپ نے تمام فقہی مسائل کو پرانے زمانے کی اصطلاحات استعمال کرنے کی بجائے، ماڈرن زمانے کے ساتھ فقہ کو لاگو کیا ہے، کیا سر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ نے نئے ماڈرن طریقے سے فقہ کو مرتب کر دیا ہے؟

جواب: مدارس کی کتابوں میں ابھی بہت کمی ہے۔ اسی وجہ سے میں نے علوم الفقہ کی سلیبس کی کتابیں ماڈرن طریقے سے مرتب کرنے کی حقیر کاوش کی ہے۔ آپ بھی ایسی کاوش کریں۔ کبھی نا کبھی تو مدارس کے بھائیوں کو سمجھ آ گئی تو وہ بھی اپنے سلیبس کو صحیح کر لیں گے۔

سوال: سر فقہ کی جدید ماڈرن کتابیں کسی نے لکھی ہیں؟ کیونکہ جو آپ والے ماڈیول ہیں انہی میں ہم نے مختلف فقہی مکاتب فکر کے دینی مسائل میں نقطہ ہائے نظر کا تقابلی مطالعہ کیا ہے۔

جواب: تقلید کے اصول پر مدارس کے سلیبس میں صرف اور صرف اپنے مکتبہ فکر کے فتووں کا مطالعہ کرتے ہیں حالانکہ تقلید کی وجہ سے ہی امت مسلمہ میں زوال پیدا ہوا۔ ضرورت یہ ہے کہ ہم تقلید کو چھوڑ کر تمام مکاتب فکر کے فقہاء کی ریسرچ سے فائدہ حاصل کرنا چاہیے۔ یہ سب مکاتب فکر کے فقہاء ہمارے ہی اپنے ریسرچرز ہیں اور ان کی ریسرچ سے فائدہ حاصل کرنا چاہیے۔

سوال: فقہ کا موضوع اور دائرہ کار پر علمی مطالعہ اور فکری مطالعہ کرنا ہو تو ماڈرن طریقے والی کتابیں کسی تقلید سے آزاد شخص نے کوئی کتاب لکھی ہیں تو مجھے ضرور آگاہ کیجئے؟

جواب: کچھ کاوش تو آپ کی خدمت میں حاضر کر دی ہے۔ باقی جدید فقہاء کے کام کو ڈھونڈنا چاہیے۔ چند ریسرچرز کا نام عرض کر دیتا ہوں جس میں آپ ان کی کتابیں ڈھونڈ لیجیے۔ اس میں جاوید احمد غامدی اور ان کی ٹیم، عمار خان ناصر، تقی عثمانی، غلام رسول سعیدی اور مودودی صاحب۔ ان سب حضرات نے ٹیکسٹ بک کی شکل میں نہیں لکھا بلکہ جن کے ذہن میں کوئی سوال پیدا ہوا تو انہوں نے اپنی کتابوں یا میگزین میں لکھ دیا۔ اس لیے ان کی کتابوں میں آپ کو سرچ کرنا ہو گا۔

جب آپ عربی زبان سیکھ لیں گے تو پھر آپ کو سعودی عرب، مصر اور لبنان کے اسکالرز کی ریسرچ کو آسانی سے دیکھ لیں گے۔

والسلام

محمد مبشر نذیر

اسلامی کتب کے مطالعے اور دینی کورسز کے لئے وزٹ کیجیے

www.mubashirnazir.org